میری کہانی

میری زبانی

سی۔ سی۔ پبلکیشنز

انتساب

میری زندگی اہل ملک کی خدمت اور خیر خواہی میں گزر گئی اسوقت بھی جو میں نے کہانسا ہے وہ اونہیں جذبات شرافت راستبازی۔ دیانت۔ صداقت۔ وفا شعاری۔ عدل و انصاف کے پیدا کرنے کیلحاظ کیا ہے۔ جن کے لئے یہ سب کچھہ ہوا۔ اونہیں کے نام انتساب صحیح ہوگا۔

لہذا صدق دل سے اہل ملک کے نام اس میری کہانی کو معنون کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

سی۔ سری کرشن

سنہ ۱۳۵۵ ف
۷ ارد ی بہشت

موضوع بحث جو اس وق [redacted] ہیں۔

(۱) پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کی تحریر مورخہ ۔ آذر ۵۴ف اور جو مکالمہ اون میں اور مجھ میں اجلاس متفقہ عدالت العالیہ پر بتاریخ ۵ر آذر ۵۴ف ہوا۔

(۲) راجہ بہادر شیشور ناتھ کی تجویز اور اجلاس ابتدائی پر میرا بیان جو بتاریخ ۸ار آذر ۵۴ف ہوا۔

تحریر پنڈت لکشمن ریڈی صاحب یہ ہے:-

"مسٹر سری کشن نے جو طرز گفتگو اختیار کی وہ نہ صرف نازیبا تھی بلکہ تحقیر عدالت تک پہونچ چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ "بحیثیت کونسل کے وہ جانتے ہیں کہ حکامان عدالت العالیہ کس لیاقت سے کام کرتے ہیں" جس سے ظاہر ہے کہ ان کا تخیل متمردانہ اور ان کو اپنے سینیر کونسل ہونے کی حیثیت سے یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ وہ ایسے مقدمات میں کونسل مقرر ہوکر تضیع اوقات عدالت کر سکتے ہیں۔ جنہیں کسی قسم کی امید نہ ہو اور جن میں کسی جونیر یا کوئی سربرآوردہ وکیل بحث کرنے کی ہمت نہ کر سکتا ہو" غالباً سری کشن بیارسٹر ایٹ لا کو خلاف آداب عدالت و ناشائستہ و مخرب تہذیب گفتگو کرنے کی جرأت اس وجہ سے پیدا ہوگئی کہ ان کے تعلقات حکامان عدالت العالیہ اور دوسرے احباب سے مخلصانہ ہیں ان کے

قبل بھی اور ایک مقدمہ میں جبکہ یہ بحث کر رہے تھے اس وقت بھی اس قسم کی لاطائل گفتگو سٹر سری کشن نے کی تھی ۔ ان کی گفتگو سوائے تضیع اوقات اور کچھ نہ تھی۔ اور غالباً خواجہ عبد العزیز صاحب کے اجلاس پر بھی اس قسم کی ناشائستہ گفتگو کی تھی ۔"

مکالمہ جو ہوا :۔

" سری کشن ۔ میں نے اپنی زبان کھولی ہی نہیں ۔ کچھ کہا ہی نہیں ۔ آپ نے میری بحث سماعت ہی نہیں فرمائی ۔

پنڈت لکشمن ریڈی صاحب ۔ ہم اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے میں نے مثل دیکھ لی ہے ۔

سری کشن ۔ میں نے بحیثیت کونسل ذمہ داری کے ساتھ درخواست پیش کی ہے ۔ اور مجھے اس میں بحث کرنی ہے ۔ اس کو وقت ضائع کرنا نہیں کہتے ۔ معزز حکام کا تقرر اسی لئے ہے کہ مقدمہ کی بحث سماعت اور اس کا تصفیہ کریں ۔ ورنہ ملزمین کی کیسے تشفی ہو سکتی ہے ۔ میں نے موکل سے فیس لی ہے ۔ عدالت کو توجہ دلانا میرا فرض ہے ۔

پنڈت لکشمن ریڈی صاحب ۔ ملزمین کی کسی طرح تشفی نہیں ہوتی وکلاء تیار ہو کر نہیں آتے ۔ عدالت کا وقت ضائع کرتے ہیں ۔ ہم اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے ۔ ہماری تجویز ہے "

تجویز راجہ بہادر بشیشور ناتھ یہ ہے :۔

" رائے سری کشن صاحب نے جو اس وقت بیان کیا ہے جو لکھا گیا ہے اور جو زبانی کہا اور اس کو ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا یہ بھی

آداب عدالت کے خلاف ہے۔ .... رائے سری کشن کا کا طرز عمل نہایت درجہ آداب عدالت کے خلاف رہا ہے۔ اس لئے یہ کارروائی صیغہ انتظامی میں دیجائے"

بیان سریکشن :—

"میں خیال کرتا ہوں کہ میری بیماری میری کمزوری کے حال سے ...... جملہ اراکین ہائی کورٹ واقف ہیں۔ آداب عدالت سے واقف ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ نہ صرف عدالت العالیہ میں آنے والے بلکہ اور دوسرے لوگ اراکین بھی اوسکو قائم رکھیں اور بڑھائیں۔ اپنی ذات کی حدتک اتنے زمانہ کے بعد مجھ سے یہ کہا جاتا کہ آپ اجازت لیجئے تو اجازت دیجا سکتی ہے۔ اور جیسے اسی کے ذریعہ کہلاتا کہ لکڑی باہر رکھیں میں اپنی ہتک سمجھتا ہوں۔ اور اس بنا پر عالیجناب جج سے خواہش کریں کہ میں ہائی کورٹ کے باہر چلا جاؤں تو میں جانے آمادہ ہوں ورنہ مسئلہ صاف ہے"

بجواب سوال راجہ بہادر بشیشور ناتھ۔ "میں لکڑی یہاں دنگا فساد کرنے۔ وکلاء یا اور لوگوں کو ٹھوکنے کے لئے نہیں لاتا"

میری کہانی حصہ اول میری زبانی

عجیب مخمصہ میں پھنسا ہوں۔

میرا دل و دماغ کچھ کہتا ہے۔ دنیا کچھ اور رنگ جمانا چاہتی ہے۔ پہلے بھی تھا۔ اب اور تجربہ ہوتا چلا ہے جتنے منہ اوتنی باتیں۔ وہی پرانا قصہ ہے کیا کروں کیا نہ کروں۔

مجھے تو راستہ صاف دکھائی دیتا ہے لیکن کیا اغیار کیا احباب ہر دو چاہتے ہیں میں وہ راستے نہ چلوں۔

ان کے کچھ دلائل ہیں اونکی اور مصلحتیں۔

میرے لئے وقت مصیبت ہے۔ ہر قدم پر نئے رنگ روپ کا سامنا ہے

حسب اعلان مجھے شہر یور میں جانا چاہئے تھا "کیوں ٹھیرا ہوا ہوں" اہم سوال ہے کیا جواب دوں۔ گویم مشکل ورنہ گویم مشکل۔

راست گوئی بڑی بری بلا ہے۔ کون اوس کی قدر کرتا ہے خدا جانے۔

جب جانے کی ٹھانی معاملہ لین دین کی یکسوئی ضروری تھی۔

صاف گوئی نے کہلوایا اس کا تصفیہ کرکے ہی رخصت ہونگا۔

لیکن ادھر تقاضا اُدھر دیری یہ مصیبت پہ مصیبت۔ نہ ادھر کا ہی رہا نہ اودھر کا

سمجھا تھا آسان راستہ یہی ہے جو دیانت اور صداقت سے کہا اور کیا جائے۔

لیکن یہ اپنا کہنا ہے۔ دنیا اس کو کس پرکھنے پر مانے؟

گلہ شکایت کس سے؟ دنیا کو میری بلا سے کیا غرض؟ وہ اپنی طرح چلیگی

مجھے اپنا بوجھ آپ سنبھالنا چاہئے۔ اپنے کئے ہوئے کا خمیازہ کون بھگتیگا؟

ہوگا وہی جو خدا کو منظور ہو۔ مگر حیدرآباد سے جانا ہے۔ یہ کیا ہو؟

معمہ حل نہیں ہوتا۔ اور میں اس وقت اسی کے داؤ پیچ میں ہوں۔

رستگاری کب کس طرح ہوگی یہ معلوم نہیں۔

مسئلہ کا یہ ایک رخ ہے۔ دوسرا رخ بھی اہمیت میں کچھ کم تر نہیں۔

اس کو کسطرح بیان کروں تلمیح و واقعات کا اعادہ ہی شائد اس کی وضاحت کرسکے۔

عدالت العالیہ کے ٹوٹنے اور اس کی بے قدری نے مجھے وکالت چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس کو آج گیارہ مہینے ہوئے۔

میری بساط ہی کیا! ایک ذرّہ ناچیز ہوں۔
البتہ جذبہ رکھتا تھا۔ خدمت گزاری کا۔ اور چاہتا تھا ملک کے کام آؤں۔ مگر جب یہ کسی کو منظور نہیں تو رخصت کا خواہاں ہوا۔ سات مہینے کا عرصہ گزرا۔ دیکھتا ہوں وہی لیل و نہار ہے۔ جانا ہی اچھا ہے کسی پر کیوں میرا بار ہو۔؟
کیا کہوں لوگ کیا کہتے ہیں۔
کس نے کیا کہا۔ یہ کہاں تک کہتا جاؤں۔ کس کس کے نام بتلاؤں۔ میرے لئے الف تا یا سب یکساں ہیں۔ فرق جو ہے وہ حرف بولنے والوں اور ان کے وجوہ و دلائل کا نتیجہ ہیں۔ میرے لئے جو پیغام ہے وہ یہی ہے۔ گزشتہ کو بھول جاؤں۔ اپنے کیے اور کئے ہوئے کو حرف غلط کی طرح مٹا دوں۔ اور جو گزرا اوس پر اظہار تاسف اور ندامت کروں۔ یہ سمجھوں جو دوسروں نے کیا وہ سب سچ اور صداقت پر مبنی ہے۔ میرے خود کا خیال و قول و فعل غلط ہے۔ اوس کی بنیاد کھوکھلی ہے۔
ملاحظہ ہو۔
اس تصور میں کہ درخواست غلط پیش کی گئی پنڈت لکشمن ریڈی صاحب نے یہ چیز پر ملا کہدی۔ اپنے اہلکار سے "رام لعل کشن کو لکھا جائے اون کو سپرد انتظامی کیوں نہ کیا جائے۔ ان کی سند کیوں نہ لے لی جائے" اس پر میں نے توجہ دلائی۔ غلطی بتلائی۔ کہ مثل نہ دیکھی گئی نہ واقعہ کی تصدیق کی گئی۔ یوں ہی جو دل میں آیا کہدیا گیا۔ جو مناسب طریقہ نہیں ہے۔
چند ہی دن بعد دوسرا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔
بلا سماعت بحث مقدمہ میں تجویز صادر کی جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں

تیں نے زبان کھولی ہی نہیں ۔ کچھ کہا ہی نہیں ۔ بحث ہی سماعت نہیں کی گئی ۔ یہ تجویز کیسی ؟ بعد سماعت بحث تجویز کی جانی چاہئے ۔ مجھ پر الزام عائد ہوتا ہے ۔ میں نے تحقیر عدالت کی ۔ آداب عدالت کو ملحوظ نہیں رکھا ۔ ناشائستہ ۔ مخرب اخلاق و تہذیب گفتگو کی ۔ تحت قانون وکلاء کارروائی آغاز کی گئی ۔ میں نے جوابدہی کی ۔ بحیثیت کونسل اپنے فرض کی ادائی میں مجھے جو کرنا چاہئے تھا وہ میں نے کیا ۔ جو میری نسبت لکھا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے ۔ میں تحقیر نہیں توقیر عدالت کا خواہشمند ہوں ۔ جو پنڈت الکشمن ریڈی صاحب نے تحریر کیا ہے وہ مزید بہ حیثیت عرفی ہے ۔ اس کے نسبت تحقیقات باضابطہ عمل میں آنی چاہئے ۔ جو خاص کمیشن کے ذریعہ ہو ۔ مولوی ہاشم علی خاں صاحب مولوی خلیل الزماں صاحب ۔ مولوی مرتضے خاں صاحب سے اس کی ضرورت نہیں سمجھی ۔ میرے طرز عمل کو بد اطواری قرار دیا ۔ تنبیہ کی ۔ کہا اظہار تاسف کیا جائے تو مناسب ہے ۔ یہ تو مجھ سے ممکن نہ تھا ۔ غلطی کا اعتراف کروں جب میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی ۔ سند ۔ جیسا پہلے کہہ چکا تھا سند وکالت واپس کر دی ۔

تقریباً ۱۲ سال کے عملدرآمد کے بعد جو بلا اعتراض جاری تھا ۔ راجہ بہادر بشیشور ناتھ نے مجھ پر لکڑی ساتھ رکھنے کی نسبت اعتراض کیا ۔ میں نے اوس وقت جو کہا اوس کو خلاف آداب عدالت قرار دیا گیا ۔ (۴) مہینے کے سکوت کے بعد ۔ مولوی خلیل الزماں صاحب نے بہ مشورہ راجہ بہادر بشیشور ناتھ دوسری کارروائی تحت قانون وکلاء آغاز کی ۔ میں نے جوابدہی کی ۔ "میں نے ایسی کوئی چیز نہیں کی بلکہ راجہ بہادر بشیشور ناتھ نے فی الواقعی آداب عدالت کو ملحوظ نہیں رکھا ۔

معزز اراکین عدالت العالیہ کی اونہوں نے تحقیر اور بے حرمتی کی۔ اور سوئے ظن عدالت العالیہ کو صدمہ پہونچایا۔ محض اس لئے کہ میرا ہتک کیا جائے مجھے مضرت پہونچے۔ میں بدنام و رسوا ہوں" اور طالب تحقیقات ذریعہ کمیشن ہوا۔

مولوی خلیل الزماں صاحب۔ مولوی ہاشم علی خاں صاحب پنڈت سری پت راؤ صاحب نے اس بناء پر کارروائی کو داخل دفتر کر دیا کہ میں وکالت نہیں کرنا چاہتا۔ اور اس کے قبل تنبیہ دیجا چکی ہے اور یہ بھی تجویز کی کہ "کارروائی چلائی جائے" اس کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق مجھے بہ حیثیت فریق حاصل نہیں ہے۔ عدالت العالیہ جب چاہے کارروائی کو ختم کر سکتی ہے۔

تحت قانون وکلاء محکمہ سرکار میں نگرانی کرنے کا حق عطا کیا گیا ہے لہذا میں نے ہر دو تجاویز عدالت العالیہ کی نگرانی داخل کی نواب عالم یار جنگ بہادر نے ان کو نامنظور فرمایا۔

ہر وہ طریقہ جو آئین و قانون نے بیجا اتہام سے براءت حاصل کرنے کے لئے مہیا کر رکھا ہے وہ میں نے اختیار کیا۔

عدالت العالیہ میں میری التدعا ہی کہ تحریر مذیل حیثیت عرفی کو پنڈت لکشمن ریڈی صاحب سے ثابت کرایا جائے۔ اراکین عدالت العالیہ سے اس کا تعلق تھا۔ لہذا کمیشن کے ذریعہ تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ اسی طرح اونہی وجوہ کی بناء پر راجہ بہادر بشیشور ناتھ کے معاملہ میں بھی میں نے باضابطہ تحقیقات ذریعہ کمیشن کی خواہش کی۔

صدور تجویز کے بعد جو میرے خلاف تھی۔ عدالت العالیہ میں

تجویز ثانی اور محکمہ سرکار میں نگرانی میں سامنے پیش کی۔
صدر اعظم و باب حکومت کے پاس بھی مسئلہ کو پیش کیا۔
جو اشخاص میرے بدنامی و رسوائی کے در پئے تھے اون کے مقابلہ میں قانونی چارہ کار اختیار کرنے کے ارادے کو ظاہر کیا۔ اور خود صدر اعظم کو اس کا ذمہ دار قرار دیکر اون کو بھی نوٹس دی۔
بہر حال درجہ بہ درجہ ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر محکمہ میں میں نے چارہ جوئی کی کوشش کی۔ اور اب بھی میں نے اس کو ترک نہیں کیا ہے کیونکہ میری یہ تمنا ہے کہ اس معاملہ کا تصفیہ حقیقت کی روشنی میں ٹھوس واقعات کی بنا پر کیا جائے۔
چنانچہ نواب صدر اعظم بہادر اور معزز ارکان باب حکومت کو میں نے پھر اس امر کی اطلاع دی ہے کہ میں صدر اعظم بہادر کی ذات کو اور نیز سرکار عالی کو جو میری توہین کی گئی اور مجھے نقصان پہونچایا گیا اوس کا ذمہ دار قرار دیتا ہوں اور ہرجہ کا تعین میں نے مبلغ پانچ لاکھ روپے کیا ہے۔
دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ بہرحال یہ مے روئداد عدالتی جو اسوقت تک میر تعلق سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔
یوں تو بہت سو لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ اونکے مجملہ یہ قیل و قال ہے۔ ان سے اس کا اندازہ ہوگا کہ مجھے کن چیزوں سے سابقہ پڑا ہے۔
پہلے واقعہ کے وقت پنڈت راجیندر ناتھ صاحب۔ مولوی ابو سعید مرزا صاحب نے روکا۔ مولوی حسین احمد بیگ صاحب نے کہا آپ کو جو کہنا تھا وہ آپ کہہ چکے۔ اب اس کو یہیں رہنے دیجئے

اس بنا پر معاملہ رفت و گزشت ہو گیا۔

جب لکڑی کا قصہ شروع ہوا۔ پنڈت آر. نرمدا وا اینگار صاحب دیوان بہادر جو اوس وقت موجود تھے۔ مجھ سے کہا "اجازت دے دیجئے" راجہ بہادر بشیشور ناتھ کی تائید شاید مقصود تھی۔

تھوڑی دیر بعد رائے منوہر پرشاد صاحب اور مولوی محمد احمد صاحب انصاری نے مجھ سے کہا۔

"آپ چپ ہو جائیے" جب میں نے کہا "جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے مجھ سے کہتے ہو۔ چپ رہو۔ راجہ بہادر بشیشور ناتھ سے کیوں نہیں کہتے" وہ چلے گئے۔ ان کی نیت تھی شاید مجھے خاموش کر کے فضا ٹھنڈی کر دیں۔ راجہ بہادر بشیشور ناتھ کو وہ مخاطب نہ کر سکتے تھے۔ فرد کارروائی میں اس جملہ کا ذکر ہے۔

نواب اصغر یار جنگ بہادر نے راجہ بہادر بشیشور ناتھ سے ملاقات کی اور کچھ کہے سنے۔ راجہ بہادر بشیشور ناتھ نے یہ تجویز کر رکھی تھی کہ اگر ضرورت کے نسبت اطمینان ہوگا۔ تو غور مکرر کیا جا سکے گا۔ نواب اصغر یار جنگ نے اپنا بیان تحریر کرایا۔ اور مجھ سے اس کا ذکر کیا میں نے کہا آپ نے اپنے بیان سے راجہ بہادر بشیشور ناتھ کے عمل کو ایک قانونی جواز کی شکل دیدی۔ اور چاہتے ہیں کہ میری جو توہین کی گئی اوس کی میں پرواہ نہ کروں۔

جب (۴) مہینے کے بعد تحت قانون وکلا کارروائی کئے جانے کی نسبت مجھے نوٹس دیگئی تو اون کے حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ اون کا خیال تھا کہ جب بیان تحریر کرایا گیا تو معاملہ رفت گزشت

ہو گیا ہو گا۔ اور مثل داخلہ دفتر کردی گئی ہوگی۔

مولوی ابو سعید مرزا صاحب نے دوسرے طریق سے اس کے متعلق مجھ سے کہا۔ "ابتداً راجہ بہادر بشیشور ناتھ کی غلطی بھی تھی لیکن یہ الفاظ کہہ کر کہ "میں لکڑی ٹھوکنے کے لئے نہیں لایا" اپنے پہلو کو تم نے کمزور کردیا۔ معنی کے لحاظ سے صرف واقعہ کا اظہار مقصود ہو۔ پھر بھی ان الفاظ کا استعمال مقام عدالت العالیہ میں زیبا نہیں۔ لہذا راجہ بہادر بشیشور ناتھ اپنے غلطی کا اعتراف کریں اور تم اپنی۔ ایک دوسرے کے معافی سے مسئلہ ختم ہو جائے۔ میں نے لفظی تعبیر کو غیر صحیح قرار دیا اور کہا معنی اور منشاء کو دیکھا جائے۔ تو میں میری کی کمی میں نے کیا غلطی کی جس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ میں جو چاہا ہو کہلوالو۔ غلطی تسلیم نہیں ہے اس اثناء میں پنڈت لکشمن ریڈی صاحب نے اپنی تحریک پیشی کی تحت قانون وکلا دکار روائی کا آغاز کی گئی۔ میں نے اپنا بیان داخل کیا۔ مولوی قمر حسین صاحب نے شاید کوشش کی تھی کہ مسئلہ اس نوبت پر رفع دفع ہو جائے۔ کیوں ناکامیابی ہوئی۔ اس کا علم اب نہیں کہ ہوگا۔

تاریخ پیشی مقرر تھی۔ معائنہ مثل سے ظاہر ہو چکا تھا کہ پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کی تحریر مزیل حیثیت عرفی ہے۔ میں اس کی نقل چاہتا تھا۔ میری جانب سے نواب اصغر یار جنگ بہادر پیروی کر رہے تھے۔ میں خود بھی حاضر تھا۔ مولوی ابو سعید مرزا صاحب نے کہا وہ نواب اصغر یار جنگ سے گفتگو کر رہے تھے۔ ان سے کہنے سننے کے بعد وہ راجہ بہادر بشیشور ناتھ سے ملنے گئے۔ تھوڑی دیر بعد نواب اصغر یار جنگ بہادر کے ذریعہ سے مجھے یہ پیغام وصول ہوا

"مضمون زیر بحث حیثیت عرفی کو قلمزد کر دیا جائے گا۔ یا اگر اس کی خواہش کی جائے تو دوسری تحریر اس کو حذف کر کے لکھدی جائے گی۔ بقیہ جزو علی حالہ قائم رہے گا۔ میرے اظہار تاسف کے بعد کارروائی ختم کر دی جائے گی" میں نے کہا منشاء صرف یہ معلوم ہوتا ہے پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کی تحریر سے جو گتھی پڑ گئی تھی اور جس حد تک اس کو سلجھا یا جائے۔ قانونی شکنجہ سے ان کو نکال لیا جائے۔ بقیہ خیریت۔ مجھے یہ منظور نہیں جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ہر شخص اپنے کردار کا آپ ذمہ دار ہے

اس کے بعد مولوی ابو سعید مرزا صاحب اور پھر پنڈت رامچندر سایک صاحب نے شرکت جلسہ سے انکار کیا۔ وجہ وہ خود جانتے ہیں

نواب اصغر یار جنگ بہادر نے بھی پیروی ترک کی شاید وجہ یہ ہو کہ میں نے گتھی کے اس طرح سلجھائے جانے کے طریق سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کا یہ بیان بھی تھا کہ میں نے ان کے بلا اطلاع جو اہر ہی کی۔

بالآخر کارروائی چلی اور میں نے پنڈت لکشمن ریڈی صاحب اور راجہ بہادر بشیشور ناتھ کو نوٹس بھی دی۔

ایک صاحب نے تذکرۃً کہا۔ نام ان کا کیوں لیا جائے کہ ان نوٹسوں نے عدالت العالیہ میں کھلبلی پیدا کر دی ہے۔ لہذا اب پوری قوت کے ساتھ کام لیا جائے گا۔

تجویز ہوئی۔

"میرا طرز عمل آداب کے منافی ہے لہذا اظہار تاسف کیا جائے۔ ورنہ احکام تنبیہہ جاری ہوں"

پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کی تحریر کو علی حالہ بلا ثبوت رد و اد میں خیال دینی دیا گیا۔
اپنی درخواست کے سلسلہ میں جب ملنے گیا تو نواب عالم یار جنگ
بہادر نے مجھ سے بات چیت کی۔ اور ساتھ ہی عدالت العالیہ کو
ٹیلیفون دیا۔ راجہ بہادر بشیشور ناتھ اجلاس پر تھے۔ صاحبزادہ محمد
علی خاں صاحب سے گفتگو کی نواب عالم یار جنگ بہادر نے دریافت کیا۔
یہ مسئلہ کب تک جاری رہے گا۔ (یعنی میرے مقابلہ میں جو کارروائیاں
چل رہی ہیں) صاحبزادہ مولوی محمد علیخاں صاحب نے جواب دیا میں
نے تجویز ثانی داخل کی ہے۔ بغرض سماعت تاریخ مقرر ہے۔ نواب
عالم یار جنگ بہادر نے کہا راجہ بہادر بشیشور ناتھ اور پنڈت لکشمن ریڈی صاحب
سے کہا جائے وہ آکر ملیں اور مثل اون کے پاس بھیجدی جائے۔
بیارسٹروں ملتے اپنی اپنی سندیں واپس کرنا چاہیں۔ اور شاید اس
سلسلہ میں نواب اصغر یار جنگ بہادر۔ پنڈت شنکر راؤ صاحب بورگاؤنکر
پنڈت وینکٹیا نایک صاحب مولوی سمیع الدین صاحب۔ پنڈت جگموہن
ریڈی صاحب۔ نواب عالم یار جنگ بہادر سے ملے۔ اون سے
کیا باتیں ہوئیں مجھے اس کا علم نہیں ہے۔
میرے پاس پنڈت ونایک راؤ صاحب۔ مولوی محمد احمد صاحب
انصاری بھی تشریف لائے۔ اور ان سبھوں نے اپنی تائید و ہمدردی
کا اظہار کیا۔ میں نے کہا مجھے اس سے کیا واسطہ آپ جو چاہیں کریں۔
مولوی حیدر رضا صاحب زیدی ـــــ مولوی اکبر علی
خاں صاحب نے بھی ان لوگوں سے رفاقت کا
وعدہ کیا تھا۔

وکلاء کا طریقہ کیا رہا کس کہوں ؟
بعض کا کہنا تھا یہ معاملہ کسی طرح رفع دفع ہوجائے تو بہتر ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب تماپوری اور مولوی عبدالرحیم صاحب کبھی کبھی مجھ سے پوچھ لیا کرتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ پنڈت رام کشن راؤ صاحب ادھر ادھر دیکھنے۔ اونکی نگاہیں راجہ بہادر بشیشور ناتھ اور نواب عالم یار جنگ بہادر کی طرف رہتیں۔ گزشتہ اردی بہشت ۱۳۴۵ف میں واپسی سند کے بعد ہی انجمن وکلاء کے معائینہ کے لئے پوری مثل کی نقل میں نے ٹائپ کرائی تھی۔ شاید ابھی انجمن غور کر رہی ہے۔ مولوی محمود علی صاحب کو اس امر کا افسوس رہا کہ وکلاء کی جماعت نے اپنا فرض نہیں ادا کیا۔ بے اعتنائی کی۔ اونکو ہمت وجرأت سے کام لینا چاہئے تھا۔ میرے لئے نہ سہی اپنے پیشہ کی عزت وآبرو کی خاطر۔
انجمن وکلاء کو جو میں نے تحریر کیا تھا کہ وہ یہ تھا:۔
" اپنے خلاف تادیبی کارروائیات کے سلسلہ میں میں نے جو کچھ بھی کہا سنا ہے اس سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔ میں نے اپنی سند واپس کر دی ہے۔ اب یہ کام آپ کا ہے کہ اپنے طبقہ کی شان رفعت قائم وبرقرار رکھنے کی طرف متوجہ ہوں۔ عدالت العالیہ نے جو نظریہ بار کی حیثیت وفرائض کی نسبت قائم کیا ہے وہ خوددار طبقۂ بار کے لئے قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ایسا گرا ہوا بار داد خواہوں کے لئے انصاف بہم پہونچانے جانے میں کسی طرح ممد ومعاون ہو سکتا ہے۔ نہ اوس کی کوئی عزت ووقعت ہو سکتی ہے۔ ایسا بار ملک کے واسطے مفید نہیں مضرت رساں ثابت ہوتا ہے۔

میں رخصت ہو رہا ہوں ۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ حیدرآباد کا بچہ و بار اپنا فرض ادا کرے"

اس کی نقل بغرض واحد بیارسٹر ایسوسی ایشن کو بھی دیدی گئی تھی۔
راجہ بہادر بشیشور ناتھ اور پنڈت لکشمن ریڈی صاحب نے بھی نواب عالم یار جنگ بہادر سے ملاقات کی۔ نواب عالم یار جنگ بہادر نے مجھے چٹھی لکھکر بلوایا اور کہا پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کہتے ہیں کہ انکے دل میں کچھ نہیں ہے اور نہ راجہ بہادر بشیشور ناتھ اور دیگر اراکین کے میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے ان کے دل میں کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ میرے ہی دل و دماغ میں ہے ۔ میں نے اپنے متعلق رپورٹ کی ۔ اپنے ہی کو برا بھلا کہا ۔ مقدمہ قائم کیا ۔ اس کے چلانے پر مصر ہوا ۔ اپنے خلاف فیصلہ دیا کی سزا بھی دے لی ۔ سند بھی واپس کر دی ۔ اب کسی کو اس سے کیا واسطہ ۔
نواب عالم یار جنگ بہادر نے کہا میں نے بہت اثر لیا ہے ۔ اور متاثر ہوں ۔ اسپر نواب اصغر یار جنگ بہادر نے کہا جو پہلے ہی سے وہاں موجود تھے ۔ میں نے بہت سمجھایا یہ مانتے ہی نہیں میں نے ان سے سند لی ہے جو میرے قبضہ میں ہے ۔ بیارسٹر بھی اپنی سندیں واپس کرنا چاہتے ہیں میں نے اونہیں روکا ہے ۔ نواب عالم یار جنگ بہادر نے یہ سنکر کہا اس کی ضرورت نہیں ۔ میں تصفیہ کر دونگا ۔ میری سند کے متعلق نواب عالم یار جنگ بہادر نے نواب اصغر یار جنگ بہادر سے کہا کہ اگر کوئی پوچھے تو وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سند نواب عالم یار جنگ کے صندوق میں ہے ۔
اس کے بعد جو اطلاع ملی وہ یہ تھی کہ نواب عالم یار جنگ بہادر نے مگر انیوں کو نامنظور کر دیا ہے ۔ اور یہ تجویز کی کہ تجویز عدالت العالیہ

میں کوئی قانونی سقم نہیں ہے۔

پنڈت سری پت راؤ صاحب اور مولوی مرتضیٰ خاں صاحب نے اس مثل کے واپسی پر اپنی تجویز کو محول رکھا۔ غرض کیا تھی وہ خود ہی جانتے ہیں۔ ابھی تک اس میں تجویز نہیں ہوئی ہے۔ دیکھئے کیا کرتے ہیں۔ اس مقدمہ میں ازراہ مہربانی میری جانب سے نواب افسر یار جنگ بہادر اور مولوی اعجاز حسین صاحب نے پیروی کی۔ جس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ خود ہی اپنے طریق پر اس میں جوابدہی کروں۔ لیکن نواب اصغر یار جنگ کو اپنے دوستانہ حق پر اصرار تھا۔ وہ چاہتے تھے میرا ان شد کام کریں۔

میرا مسودہ جواب مختصر تھا جو حسب ذیل ہے۔

"عدالت العالیہ کا احترام مجھے ہر وقت ملحوظ ہے۔ اس کی تحقیر میرا منشا نہیں۔ صرف تحریر بہ تنزیل حیثیت عرفی کے نسبت چارہ کار قانونی کرنے کا ارادہ ہے بس۔ معزز حکام ہی خود رہنمائی فرمائیں۔"

اس مقدمہ میں ابتدائی پیشی کے بعد مولوی خلیل الزماں صاحب نے جلسہ سے علیحدگی اختیار کی۔ وجہ وہ جانتے ہیں۔ مولوی عبدالحمید خاں صاحب نے بھی شرکت جلسہ سے انکار کیا۔ اون کا تعلق از ابتدا تا انتہا کسی کارروائی سے نہ رہا۔ یہ اپنی حد تک یکتا رہے۔

اوروں نے کیا کہا کیا کہوں۔ کس کو کیا کہنا چاہئے تھا۔ اور اس نے کیا کہا اور کیا نہیں کہا۔ یہ منظر سامنے آیا۔ جن سے نہ رہا گیا۔ اون کی زبان سے الفاظ ہمدردی اور تائید نکلے جن کی طبیعت میں ضبط تھا یا جو مصلحت بیں تھے انہوں نے سکوت اختیار کیا۔ دوسروں نے کچھ کہا

سنا۔ دل میں کچھ زبان پہ کچھ ۔
نواب عسکر یار جنگ بہادر نے پہلے یہ کہا تھا میری غلطی ہے۔ پنڈت لکشمن ریڈی صاحب اور راجہ بہادر بشیشور ناتھ کا عمل صحیح ہے۔ نیت انکی کچھ کیوں نہو۔ اب معلوم نہیں ۔ حالات سے واقف ہونے کے بعد اون کا کیا خیال ہے۔
مولوی محمد صدیق صاحب کی تحریک تھی ۔ حیدرآباد کے بہی خواہ جو باہر ہیں ان کے پاس میری کتابیں بھیجی جائیں۔ مضامین کے اعتبار سے اونہیں دلچسپی ہوگی ۔ اتفاقاً نواب عسکر یار جنگ سے میں نے پوچھا کیا ایسے کوئی اون کے احباب ہیں جو ان کے خیال میں میری کتابیں پڑھنا چاہیں گے ۔ نواب عسکر یار جنگ بہادر نے کہا میری یہ خواہش نہ ہونی چاہیے۔ میں اپنی چیزیں اپنی حد تک محدود رکھوں ۔
انداز دنیا دیکھئے ۔ دلچسپی جرم ہے قدم قدم پہ اصرار ہے جو کروں وہ نہ کروں ۔ نقصان ہو کچھ نہ کہوں مصیبت جھیلوں ۔ اُف تک نہ کروں ۔
مگر یہ بھی ہے ۔ مولوی اکبر علی خاں صاحب نے رخصتی بیان کے دوسرے ہی روز یہ تحریر روانہ کی ۔

برادر مکرم

تسلیم ۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر شخص کو جو واقعات سے واقف ہے اس تصفیہ نامراضیہ کا بیحد رنج و ملال ہے ۔ جو آپ میں اور لچھما ریڈی صاحب رکن میں ہوا ہے ۔ آپکا پورا احترام کرتے ہوئے میں یہ عرض کروں گا کہ سند وکالت کی واپسی کا بیان اگر نہ ہوتا تو مناسب تھا ۔ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ پیشہ وکالت کے فرائض و دیانت داری اور کامل

ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے ہیں وہ تمام برادری طبقہ کے لئے
باعث احترام اور قابل تقلید ہیں۔ اس کے علاوہ بحیثیت ایک
انسان اور حیدرآبادی کے جو کیرکیٹر اور جذبۂ وفاداری و خدمت گزاری کا
ثبوت دیا ہے۔ اس کی وجہ بھی آپ کے احباب آپکی عزت کرتے ہیں
مزید براں حضرت والد مرحوم اور آپ کے والد محترم کے جو برادرانہ
تعلقات تھے اور جس طرح آپ کے ارکان خاندان اور میرے
بھائیوں وغیرہ میں باہمی محبت رہی وہ ایک ایسا اثاثہ ہے
جس پر ہم دونوں فخر کر سکتے ہیں ان اعتبارات سے بحیثیت آپ
کے ایک چھوٹے بھائی کے آپ کے وکالت ترک کرنے کی وجہ
میں نذر محبت اس کے ساتھ گزران رہا ہوں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ
ہر سال ماہ اردی بہشت میں یہ حقیر تحفہ گزراننے کی سعادت
حاصل کرونگا۔ اگر آپ ازراہ خرد نوازی قبول فرمادیں۔ تو
میرے لئے باعث صد شکر و امتنان ہوگا۔ فقط

آپکا چھوٹا بھائی
میر اکبر علی خان

۱۴ اردی بہشت ۱۳۵۴ ف

میرا یہ جواب رہا۔

عزیز و مہربان من!

عنایت نامہ وصول ہوا۔ چیک بھی۔ اس کی ضرورت نہ تھی
محبت کی آنکھوں سے تم نے میری طرف دیکھا۔ اس کی میں قدر کرتا
ہوں۔ روپیہ پیسے سے بڑھکر رشتۂ محبت ہے۔ اور میرے لئے

زیادہ عزیز ہے۔ جس مخلصانہ طریقہ سے تم نے تحفہ ارسال کیا ہے
اوس نے میرے دل پر گہرا نقش کیا ہے۔ جس کو میں کبھی فراموش
نہیں کر سکتا حق بزرگیت تم نے مجھے دیا ہے۔ اوس کے واسطہ
سے یہی کہہ سکتا ہوں کہ تمہیں خدا اس اظہار سعادت مندی کے
لئے جزائے خیر دے۔ خیالات وجذبات نیک رکھو۔ ملک کے
کام آؤ۔ اور کیا کہوں۔ تم میرے ہو۔

اس وقت تک چیک واپس نہیں کیا۔ رکھا ہوں کہ تم برا نہ مانو
کبھی ملو تو اچھا ہے۔

تمہارا بھائی

سری کشن

رقم رکھ لی گئی تھی۔ اب بھیجدی جاوے گی۔ میری نگاہ میں اس جذبہ
کی قدر ہے جس کے تحت وہ روانہ کی گئی تھی۔ اس لئے میں نے
اسے رکھا بھی۔

اس کی نوعیت دوسری ہے۔

ہے تو یہ بھی اوسی سلسلہ میں۔

نواب وزارت جنگ بہادر نے واپسی فیس مبلغ پانچ ہزار روپیہ کا مطالبہ کیا
نواب تراب یار جنگ بہادر او نواب سالار جنگ بہادر کے ذریعہ مقدمہ میرے
تفویض ہوا تھا۔ اور فیس ادا ہوئی تھی۔ میں نے جواب دیا اگر وہ کہیں تو اونکا
ارشاد میرے لئے واجب التعمیل ہے۔ میں فیس واپس کر دونگا۔ ساتھ
ہی نواب صدر اعظم بہادر کے پاس اور کمیشن کے روبرو درخواست
پیش کی اور عدالت العالیہ سے بھی رہنمائی کی استدعا کی کہ ان

حالات میں کیا یہ مطالبہ صحیح ہے۔ پیشگاہ صدارت عظمیٰ سے جواب وصول ہوا کہ درخواست بغرض تصفیہ کمیشن میں بھیجدی گئی ہے عدالت العالیہ اور کمیشن نے کوئی تجویز نہیں کی۔

نواب سالار جنگ بہادر نے یہ تحریر روانہ کی کہ رقم دیدی یا لی جائے نواب تراب یار جنگ بہادر نے یہ لکھا وکیلوں سے مشورہ کیا گیا رقم واپس کردی جانی مناسب ہے۔ بنا برآں میں نے واپسی رقم کا وعدہ کرلیا ہے۔ جو عنقریب بھجوادی جائے گی۔

اکثر احباب کا پہلے یہ خیال تھا کہ کسی نہ کسی طرح یہ کشیدگی رفع ہو جائے گی۔ کچھ دنوں یہ امید رہی کہ عدالت العالیہ میں نہ سہی نواب عالم یار جنگ بہادر اس کا تصفیہ کرادیں گے۔ وجہ شاید یہ ہو مختلف اشخاص سے نواب عالم یار جنگ بہادر نے گفتگو کی تھی۔

مولوی سید محمد اعظم صاحب نے ادن سے کہا تھا۔ لیکن نواب عالم یار جنگ بہادر کے نے تجویز کردی۔ مولوی محمد اعظم صاحب نے مکرر توجہ دلائی۔ نواب عالم یار جنگ بہادر نے کہا "میں تجویز کرچکا ہوں۔ اگر مجھ سے مل کر وہ صرف اتنا کہدیں "افسوس ہے" تو میں کارروائی کو ختم کردونگا"۔ محمد اعظم صاحب نے مجھ سے ذکر کیا۔ میں نے جواب دیا۔ نواب عالم یار جنگ بہادر کو اپنی سرسرے تجویز کا اتنا پاس ہے کہ وہ مجھ سے باضابطہ طریق پر اٹھا رتاسف کرانا چاہتے ہیں۔ جو بغیر ان کے توسط و ایما کے عدالت العالیہ میں بھی ہوسکتا ہے تو کیا وہ اس کی توقع رکھتے ہیں کہ محض ادن کے اس پیام کی بدولت میں اپنے پبلک اعلان کے خلاف عمل کروں گا؟

اون کا یہ کہلانا میرے مزید توہین کا باعث ہے۔ محمد اعظم صاحب نے نواب عالم یار جنگ بہادر سے شاید یہ کہا ہوگا۔

اس کے بعد نواب عالم یار جنگ بہادر نے رائے راجموہن لعل صاحب کے ذریعہ محمد اعظم صاحب کے پاس یہ کہلوایا کہ اب پہلے کی حالت باقی نہیں رہی ہے۔ پنڈت لکشمن ریڈی صاحب اور راجہ ہرا در بشیشور ناتھ نہیں ہیں۔ لہذا اگر میں عدالت العالیہ میں کام شروع کردوں تو اراکین کو اس پر کوئی عذر و اعتراض نہ ہوگا۔" رائے راجموہن لعل صاحب نے مجھ سے بھی نواب عالم یار جنگ بہادر کا یہ پیغام پہونچایا۔ اور مولوی سید محمد اعظم صاحب نے بھی اس کا تذکرہ مجھ سے کیا تھا۔ یہی کہنا پڑا کہ شاید میرے بیانات کو اونہوں نے بغور نہیں پڑھا۔ آخر اون کی اب یہ مہربانی کیوں؟ میں نے جو کچھ کہدیا۔ وہ اپنی تجویز پر قائم رہیں۔ اگر فی الحقیقت اون کا یا اراکین عدالت العالیہ کا یہ خیال ہے کہ میں اپنی سند واپس لوں اور عدالت العالیہ میں پھر سے کام شروع کردوں تو وہ اپنے تجویز کو منسوخ کریں۔ اور عدالت العالیہ کا جو برتاؤ میرے ساتھ رہا ہے اس پر اظہار تاسف کریں۔

پنڈت رامچندر نایک صاحب۔ مولوی ہاشم علی خاں صاحب۔ مولوی خلیل الزماں صاحب سے نواب عالم یار جنگ بہادر کی ملاقاتیں شاید ہوئی تھیں۔

پنڈت رامچندر نایک صاحب نے بھی مجھ سے کہا۔ مولوی ہاشم علی خاں صاحب نے بھی مولوی خلیل الزماں صاحب نے بیانات

نتیجے ۔ بلوایا۔ تفصیلی بات چیت کی۔ میرا ایک ہی جواب رہا۔ تجویز عدالت العالیہ اپنی جگہ ہے۔ اور میں نے جن وجوہ کی بناء پر اپنی سند واپس کی ہے وہ ابھی حد تک قائم ہیں۔ پنڈت لکشمن ریڈی صاحب اور راجہ بہادر بشیشور ناتھ نہ ہوں تو کیا۔ مسئلہ تو ان سے بڑھکر عدالت العالیہ کا ہو چکا۔ لہٰذا عدالت العالیہ اگر چاہتی ہے کہ میں کام کروں تو وہ اس کو ظاہر کرے۔ اظہار تاسف پر اصرار نہ ہو۔ تب بھی محض یہ کہہ دیا "میں آؤں تو کوئی عذر اعتراض نہ ہوگا" کافی نہیں ہے اور پھر میں آؤں یا نہ آؤں۔ عدالت العالیہ جو مناسب خیال کرتی ہے۔ وہ کرے۔ میں اس نوبت پر رحم و کرم کا خواہاں نہیں۔ اور نہ میں نے جو سند واپس کی ہے وہ لینے کی خاطر ہے۔ میرے آنے ہی کی شرط کیوں ہو۔

اس سے قبل مولوی جہانگیر علی صاحب مجھ سے ملے تھے۔ امید مشورہ چاہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ میں نے کہا اپنے ہی معاملہ میں کیا کہوں۔ یہ کام آپ کا ہے۔ آپ خود غور کریں۔ جو چاہے کریں مجھے جو کہنا تھا وہ میں نے کہہ دیا۔ اور اس پر قائم ہوں۔ مجبوریات کی وجہ سے ٹھیرا ہوا ہوں۔ ورنہ کب کا چلا گیا ہوتا۔

رائے منوہر پرشاد صاحب بھی اسی طرح پیام لائے۔ انہی کے الفاظ میں۔ وہ صاحب ممدوح کی حکم کی تعمیل میں آئے اور پیغام پہونچایا۔ ان سے بھی یہ نے دہرایا۔ جو مولوی جہانگیر علی صاحب سے کہا تھا کہ میرا آنا ممکن نہیں جب تک اراکین عدالت العالیہ اپنی تجویز اور رنظر سے پرقائم رہیں۔

جب ملاقات ہوئی مولوی قمر حسن صاحب۔ پنڈت سری پت راؤ صاحب۔ مولوی باسط علی خاں صاحب۔ رائے راجموہن لعل صاحب نے بھی مثل دوسرے احباب عدالت العالیہ آنے اور کام شروع کرنے کے لیے کہا۔

میں نے اپنی وہی مجبوری ظاہر کی۔

معلوم نہیں قدم قدم پہ میرے لیے یہ آزمائشیں کس لیے ہیں؟ بعض ہی جانتے ہیں مجھے کن دقتوں کا سامنا ہے۔ کیا کہوں۔ ان کی اہمیت اور نزاکت میں کئی وجوہ سے اب اور بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ کس طرح تصفیہ کروں؟ لغزش کے سب سامان مہیا ہے۔ اس میں سہولت بھی۔ آرام بھی ہے۔ دوستوں کے پیام کو قبول کرلیا جائے تو بکلخت ہر دو بیانات جتنی شکر غلط مٹ جاتے ہیں۔ اور گزشتہ کی یاد بھی شائد باقی رہے۔ ورنہ فساد و شکن بھی ہے۔ ہمت افزا بھی۔ میرے دل میں خود یہ سوال اوٹھتا ہے۔ پوچھنے والے پوچھیں تو کیا جواب دوں؟ اپنے نظریئے کے صداقت پر زعم تھا تو آخر وقت تک اوس کو کیوں نہ نبھایا؟ کیا اونہیں یہ کہوں حالات نے ہٹیا اور لاچار کردیا۔ اس لئے ثابت قدم نہ رہ سکا؟ کیا کروں؟ مجھے اپنا راستہ طے کرنا ہے۔ وہ صحیح ہے یا غلط خدا جانے۔

ایک اور وقت ہے۔ جس کو میں ہر وقت ہر لمحہ محسوس کرتا رہتا ہوں۔ دنیا کیا مجبور ہے کہ اپنے آرام۔ اپنی مصلحتوں کو چھوڑ محض ایک خیالی تصور دیانت۔ صداقت۔ عدل و انصاف کے اثبات کے لیے زحمت اوٹھائے۔ وقت دے؟ کیا اس سلسلہ میں

مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اپنے تصورات و تخیلات کے تحت اپنے متعلقین کو بھی گرفتار بلا کروں ؟ اور کیا یہ میری بلند پروازیاں جو خود مرے ہی واہمہ کا نتیجہ ہیں اون کے لئے حق کو مجھے دینا ہے۔ نقد کا معاوضہ بن سکتی ہیں ؟ اور کیا ان کے لئے وہ باعث تسکین اور دلداری بھی ہوسکتی ہیں ؟ کیا کہوں ؟ ان پیچ در پیچ مصیبت میں مبتلا ہوں ۔ خدا ہی ادس سے نجات دے تو دے۔

واقعات کا ایک پہلو میری ذات سے تعلق رکھتا ہے لیکن مسئلہ ہے معدلت گستری کا ۔ اس کے نظریئے کا ۔

دائرہ انصاف میں کیا اظہار شرافت کی ضرورت ہے ۔ اور کس کا پلہ بھاری ہے ۔

جج کا یا بار کا ۔ کیا جج ہمہ اوست ہے ۔ یا بار بھی اس کا مستحق ہے کہ ادس کو چپہ حصہ عوام میں عزت و آبرو کا ملے ۔ حصول عدل و انصاف کے لئے کیا ہونا چاہئے ۔ معدلت گستری میں کردار جج کیا تنقید سے بالاتر ہے اور کیا جج بار کی تذلیل کا مجاز ہے ۔ اور کیا بار اس سے ممنوع ہے کہ اپنی حفاظت آپ کرے ۔ کیا ضبط و تحمل کی بار کو ضرورت ہے جج کو نہیں ؟

بہر حال میں نے ان مسائل کو سامنے لایا ہے ۔
اپنا فرض سمجھا ۔ اس لئے ان امور کو اس طرح پیش کیا ۔
عدالت العالیہ کا یہ نظریہ ہے ۔
وکیل کونسل کا بحث کرنے پر اصرار کرنا فرائض وکالت سے متجاوز ہے ۔

وکلاء یا اہل معاملہ کو اس کی اجازت نہیں دیجا سکتی کہ وہ اجلاس پر بلا کسی پس و پیش کے اعتراض کر سکیں۔
اس طرح کی مخاطبت سے عدالت کا وقار متاثر ہوتا ہے اور عوام میں حکام عدالت کی طرف سے بے وقعتی اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے جس کو عدالت العالیہ جائز نہیں کہہ سکتی۔
کسی وکیل کا برسر اجلاس کہدینا کہ حکام عدالت بغیر واقعات معلوم کئے مقدمات کا فیصلہ کر رہے ہیں اس کے مترادف ہے کہ وہ صحیح انصاف کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ایسے الفاظ کو بد اطواری فاحش کے دائرہ میں داخل کیا جا سکتا ہے۔
ایسا اعتراض کہ مثل سے واقف ہوئے بغیر تجویز نامنظوری صادر کی جا رہی ہے جو نا انصافی پر منحصر ہوتی ہے۔ جس سے حکام عدالت کے انصاف رسانی پر حملہ ہو تحقیر عدالت کی حد تک پہونچتا ہے۔
تصور یہ ہے کہ حاکم عدالت العالیہ وکلاء کونسل سے جس طرح چاہے مخاطبت کر سکتا ہے۔ خواہ اس کی توہین تذلیل بھی کیوں نہ ہوتی ہو۔ اس کو ضبط و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ اس کی جانب سے احتجاج یا چارہ کار قانونی اختیار کرنے کے ارادہ کو ظاہر کرنا تحقیر عدالت ہے۔
میرا اپنا کہنا ہے کہ بار کا کردار بھی دیانت۔ صداقت۔ متانت۔ فرض شناسی کے ساتھ شریفانہ ہو۔ اور بنچ اپنے کردار کو اوس سے کمتر نہ ظاہر کرے۔ اور وہ طرز عمل اختیار کرے جس کی وہ بار سے توقع رکھتا ہے۔ ورنہ عدالت کی جگہ عدل و انصاف کی نفاذ قائم

نہیں رہ سکتی۔

میرے احساسات اور نظریئے کو میں نے اپنے بیانات اور مختلف درخواستوں میں صراحت سے ظاہر کیا ہے۔ بیانات مورخہ ۱۱ر دسمبر اور ۲۱ دسمبر ۱۹۵۴ء بالخصوص دیکھے جائیں۔

عدالت تجویز ثانی ونگرانی میں بھی ان کو اس طرح پیش کیا گیا ہے ہر فریق کا یہ قانونی اور آئینی حق ہے کہ حکام عدالت عالیہ کے روبرو خود یا اپنے وکیل یا کونسل کے ذریعہ مباحث و نتائج وقانونی پیش کرے۔ اور ان مباحث کو سماعت کرکے ان کا تصفیہ از روے ضابطہ وقانون و انصاف کرنا حکام عدالت عالیہ کا عین فرض منصبی ہے۔ جس سے انکار عدل و انصاف کی تذلیل ہے کوئی عدالت کسی کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتی۔ اور نہ خود وکیل یا کونسل بحث کرنے سے ممتنع کیا جا سکتا ہے۔

حاکم عدالت کے کسی قانونی غلطی کے نسبت۔ اوس کی غلطی یا بیجا حرکت کی جانب جو شرافت وقانون کے دائرہ سے متجاوز ہو توجہ دلائی جائے یا اوس کے خلاف احتجاج کیا جائے تو وہ عدالت کی تحقیر نہیں نہیں سمجھی جائیگی۔

نیابت شاہی کے فرض کے ادائیگی کے وقت کسی حاکم کو عدل و انصاف کے مجموعہ اپنے مخاطبین کو ذلیل و رسوا کرنے کا استحقاق حاصل نہیں ہے۔ اور اگر وہ اس طریق سے کوئی عمل خلاف تہذیب و اخلاق وقانون کرے تو ان حالات میں یہ متصور ہوگا کہ وہ اس وقت بحیثیت نائب شاہی معدلت گستری کے فرائض کے ادائی

میں مصروف نہیں ہے۔

حکامان عدالتی پر فرض ہے کہ قبل اس کے کہ وہ دوسروں سے (DISCIPLIVE) آئین وضابطہ وقانون کی پابندی کی کے متوقع ہوں خود ان کے مطابق عمل پیرا ہوں۔

تصفیہ عدالتی کے لئے تحقیقات لازمی ہے۔ جلسۂ انتظامی عدالت العالیہ کے ارکان پر فرض ہے کہ دیانت، صداقت، راستبازی سے باضابطہ تحقیقات کرائے جانے پر آمادگی ظاہر کریں۔ اگرچہ کہ اس کا اثر ان کے ہم جلیسوں پر پڑتا ہو۔ اس کے خلاف عمل اصول عدالت کے مغائر ہوگا۔

پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کی خواہش ہے کہ مجھے تنبیہہ دی جائے۔ میں نے کہا ہے کہ ان حالات میں سند عطیہ عدالت العالیہ واپس کردونگا۔ عدالت العالیہ کا جو طرز عمل رہا کہ بلا تحقیقات خلاف آئین و عدل و انصاف پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کو ان کے تحریر و بیان کے قانونی ذمہ داری سے بچا لیا جائے۔ اور مجھے مورد الزام قرار دیا جائے۔ اس کے مدنظر اپنی خود داری کا خیال کرتے اس کے سوا کوئی چارہ میرے لئے نہ تھا کہ اپنی سند حوالۂ عدالت العالیہ کردوں۔ عدالت العالیہ کا فعل میری وکالت نہ کرنے کا باعث ہوئی ہے اور اس کی ذمہ داری اخلاقاً قانوناً و انصافاً عدالت العالیہ کے ارکان پر ہے۔

دوسری تجویز ثانی بلا سماعت داخل دفتر کردی گئی۔ پہلی تجویز ثانی کے وقت میں نے جو کہا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"پنڈت لکشمن ریڈی صاحب نے میری نسبت یہ تحریر کیا ہے
(۱) میں نے ناشائستہ۔ مخرب اخلاق و تہذیب گفتگو کی۔
(۲) تضیع اوقات عدالت کیا۔
(۳) دوسرے مقدمات میں بھی اسی طرح میں نے ناشائستہ لحاظ سے گفتگو کی۔
(۴) سینیئر کونسل ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میں ایسے مقدمات میں کونسل مقرر ہو کر تضیع اوقات عدالت کر سکتا ہوں جس میں کسی قسم کی امید نہیں ہوتی اور جس میں جونیر کونسل تو کچا کوئی سر برآوردہ وکیل بھی بحث کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔"
اگر یہ سچ ہے تو میں اس قابل نہیں کہ حیدرآباد کی عدالتوں میں وکالت کروں۔ لہٰذا جیسا میں نے پہلے کہا ہے۔ اپنی سند وکالت واپس کر دونگا۔ چاہیئے تھا پنڈت لکشمن ریڈی صاحب سے اس کو ثابت کرایا جاتا اور باضابطہ تحقیقات کے بعد تجویز صادر کی جاتی۔ مگر جلسۂ انتظامی نے قانونی قیاسات و تاویلات سے کام لے کر پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کو ادائے ثبوت کے فرض سے بے نیاز کر دیا۔ اور مجھے مورد الزام ٹھیرایا۔
نقل تحریر دینے میں پہلے تامل تھا۔ یہ مشکل دور دی گئی۔ میں نے استدعا کی۔ پنڈت لکشمن ریڈی صاحب طلب کئے جائیں۔ اور ان سے ثبوت پیش کرایا جائے۔ ملاحظہ ہو کس طرح یہ طے کیا گیا کہ اس کی ضرورت نہیں۔
(۱) یہ قرار دیا گیا کہ تحریر کا ایک جز وان واقعات سے متعلق ہے

جو پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کے مشاہدے میں آئے اور دوسرے خارج از مشاہدہ اور سماعی امور سے

جزو اول ہی کی حد تک کارروائی کو محدود رکھا گیا۔ جزو دوم کے متعلق یہ طے کیا گیا کہ وہ معرض بحث میں نہیں ہے۔

(۲) شکایت ہے پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کو۔ مولوی عبدالحمید خاں صاحب کو نہیں۔ تجویز کی جاتی ہے۔ پنڈت لکشمن ریڈی صاحب نے بحیثیت سینیر جج رپورٹ کی جس کا تہ اندراج ہے نہ اوس حیثیت سے مولوی عبدالحمید خاں صاحب کے اختلاف کے بعد پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کوئی تحریک کرنے کے مجاز تھے۔

(۳) یہ تسلیم ہے قدرتی انصاف کا تقاضا ہے کہ اگر کسی کے نسبت شکایت کی جائے تو بعد اخذ ثبوت و تردید تجویز صادر ہونی چاہئے لیکن تاویل یہ کی گئی کہ چونکہ یہ کلیہ ذاتی شکایت سے متعلق ہے پنڈت لکشمن ریڈی صاحب نے بحیثیت جج شکایت کی ہے لہذا کسی ثبوت و تردید کی ضرورت نہیں۔

(۴) یہ ر، ئے ظاہر کی گئی کہ جو امر مشاہدہ جج میں آجائے اوس کی نسبت اس کی تحریر کافی ہے کیونکہ قیاس یہ ہوتا ہے کہ جج کی تحریر صحیح اور صداقت پر مبنی ہوتی ہے۔ از رو ئے قانون ایسے بیان کی حیثیت محض واقعہ متعلقہ کی ہے جس کو مثل دوسرے واقعات ثابت کیا جانا چاہئے۔ اور ان کی تردید ہوسکتی ہے۔ لیکن جلسہ انتظامی نے اوس سے قطعیت دیدی۔

(۵) پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کے جملہ کو چھوڑ کے میری تحریر کردہ

جملے ہی کی بنا پر مجھے قابل تنبیہہ قرار دیا گیا۔ کیونکہ میرے خود کے بیان کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اس سے زیادہ آسان طریقہ کون سا ہو سکتا ہے؟

پنڈت لکشمن ریڈی صاحب کا جملہ تھا" میں نے کہا" بحیثیت سینیر کونسل میں جانتا ہوں حکام کس لیاقت سے کام کرتے ہیں"!

میں نے یہ لکھا ہے" اس معنی میں حکام بھی تیار نہیں ہوتے مثل سے واقف نہیں ہوتے"

بطور واقعہ یہ دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ مفہوم و منشا بھی دوسرا نکلتا ہے

(٦) یہ رائے بھی ظاہر کی گئی کہ مقدمہ کی نسبت معزز اراکین جلسۂ متفقہ کا طرز عمل صحیح ہے یا غلط۔ اس کے نسبت اظہار خیال اس جلسہ کے دائرہ اختیارات سے خارج ہے۔

جلسہ انتظامی نے یہ اور کلیئے قائم کئے جو غور طلب ہیں۔ جن کی بنا پر میرے طرز عمل کو بداطواری فاش۔ اور مجھے قابل تنبیہہ قرار دیا گیا۔

(۱) درخواست تحت دفعہ ۲۴ قانون عدالت العالیہ کے نسبت استحقاقاً بحث نہیں کی جا سکتی۔

(۲) خود وکیل یا کونسل کا بحث کرنے کے لئے اصرار کرنا فرائض وکالت سے متجاوز ہے۔

(۳) حاکم عدالت کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ وقار عدالت کو صدمہ پہونچتا ہے۔ اگر اوس کا عمل صحیح بھی نہ ہو تب بھی چونکہ حاکم عدالت العالیہ بحیثیت نائب شاہی نشست کرتا ہے

اس لیے اوس پر اعتراض درست نہیں۔ اگر کیا جائے تو وہ تحقیر عدالت متصور ہوگا۔

(۴) اگر وکیل یا کونسل حاکم کے کسی فعل عمل کے نسبت سے خیال کرے کہ اوس سے موکل کے حقوق کی حفاظت ممکن نہیں تو وہ مستعفی ہو جایا کرے۔

(۵) جج جس طرح چاہے وکیل کونسل سے نی طلبت کر سکتا ہے۔ اگر وہ نا مناسب اور قابل اعتراض بھی ہو تب بھی اوس کو ضبط و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ احتجاج بر سر اجلاس جائز نہیں۔

انصاف کا اقتضا یہی تھا کہ معزز حکام عدالت العالیہ کم از کم میری استدعا کی بنا پر پیشگاہ خداوندی میں معروضہ گزرانتے جبکہ خود ان کو یہ امر تسلیم ہے کہ بارگاہ خداوندی سے کمیشن کے ذریعہ تحقیقات کا حکم صادر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن خود کو مجاز تجویز قرار دیا گیا۔

وجہ ظاہر ہے میں کیا عرض کروں۔

معزز حکام اس سے واقف ہیں کہ میرے مطمح نظر ہمیشہ یہ رہا ہے کہ ملک میں بنچ و بار کا عزو وقار قائم رہے۔ اس وقت بھی میں یہی چاہتا ہوں کہ عدالت العالیہ کی شان و مرتبت اعلیٰ ہو۔ جیسا میں نے اپنے بیان مورخہ ۱۰ ارد سے ۵۴ف میں بتلایا ہے۔

چند اصولی باتوں کی جانب توجہ دلاتا ہوں۔

معدلت گستری کا فرض اہم ہے بنچ و بار کو دیانت، صداقت

راستبازی - ہمت و جرأت سے اپنے فرائض انجام دینے چاہیئں
جنابا بار برابا کے جان و مال و آبرو کی حفاظت کا کام اون کے تفویض
ہے - ان کی لغزشوں اور بد نخوابیوں کا اثر نہایت ہی سخت دیرپا
اور دوررس ہوتا ہے - لہذا اون پر لازم ہے کہ ادائی فرائض میں
صبر و متانت و اخلاق سے پیش آئیں - بار بنچ کی عزت کرے
اور بنچ بار کا لحاظ کرے - اور دونوں عدلیہ کے استحکام کا باعث
ہوں - یہ محسوس کیا جائے کہ کوئی کسی سے کمتر نہیں - یہ تفریق اور
مدارج جو قائم کئے گئے ہیں وہ محض اس لئے ہیں کہ خوش اسلوبی
سے فرائض کی انجام دہی ہو -
بہ سلسلۂ کار عدالتی عدل و انصاف کے تصورات کو پیش نظر رکھا
جانا چاہئے -
اہل معاملہ کو اپنے کردار - بول چال سے مطمئن قلب کرنا بھی
حکام عدالت کے عین فرائض میں داخل ہے - اس میں کمی فساد
کو ملک راکر دیتی ہے -
عدالت دادخواہی کے لئے ہے - جو دادرسی کے لئے آتا
ہے اوس کو اس کا موقع ملنا چاہیئے کہ وہ کھلے دل سے کہے سنے
یہ نہ ملنے کی صورت میں اوس کی تشفی نہیں ہو سکتی - اور اس کو یہ
خیال کرنے کی گنجائش رہتی ہے کہ انصاف کا دروازہ اوس کے
لئے بند کر دیا گیا - لہذا اس کی اشد ضرورت ہے کہ فضا ایسی قائم
رکھی جائے کہ بار اپنے مباحث کو نہایت آزادی سے بنچ کے
سامنے پیش کر سکے - اور بنچ صبر و متانت سے اون مباحث کی

سماعت کر کے اپنی تجویز صادر کرے۔ اس کے برعکس طرز عمل اختیار کیا جائے۔ حاکم عدالت۔ فریق یا اوس کے وکیل یا کونسل کو آزادی کے ساتھ مباحث نہ پیش کرنے دے یا اون کی سماعت نہ کرے یا مباحث پیش شدہ کا بلحاظ روئداد مثل تصفیہ نہ کرے۔ اور اگر اس امر کی جانب فریق یا وکیل کونسل توجہ دلائے اور دادرسی کا خواہاں ہو تو اس کو تحقیر عدالت کا مرتکب قرار دیا جائے تو ظاہر ہے اس کا نتیجہ مفید نہیں بر آمد ہو سکتا اور نہ ایسی حالت میں انصاف رسانی ممکن ہے۔ اور نہ ہی بنچ و بار میں کام کرنے کی صلاحیت و قابلیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور نہ ایسی صورت میں اہل ملک کو عدالت کے نصفت پسندی کے متعلق اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ جہاں اس قسم کے حالات ہوں۔ انسانیت اور تن آسانی کی فضاء کا پیدا ہونا لازمات سے ہے۔

حاکم وکیل کونسل اہل معاملہ سب انسان ہیں۔ اچھائی برائی ہر ایک میں ہے۔ اخلاق شرافت، جرأت، کی ہر شخص کو ضرورت ہے۔ اظہار تکبر ہر ایک کے لئے برا ہے ان امور کا احساس حاکم عدالت کو ہونا چاہیے۔ اس کا ہر قول و فعل اپنے میں دور رس اثرات ظاہر و پنہاں رکھتا ہے اوس کا ایک ایک لفظ اوس کی ہر ادا حرکت کسی کے توقیر کسی کے توہین۔ تذلیل کا باعث بن سکتی ہے۔ بندا اوس کے لئے ضروری ہے کہ صبر و متانت، سنجیدگی۔ شرافت سے گفتگو کرے۔ بار سے بڑھکر فضائے عدالت کو پاک و صاف رکھنے کی ذمہ داری بنچ پر ہے۔ اپنے جوش وکالت میں ممکن ہے وکیل یا کونسل کچھ

کمد سے جو مناسب حال نہ ہو - یہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے - لیکن حاکم عدالت اپنے مبادیٔ عدل و نصفت سے نہ ہٹے - اوس پر فرض ہے کہ پیشہ منصب جلیلہ کی عزت کرے - جو اس لیے نہیں ہے کہ اوس جگہ سے دوسروں کی تذلیل کی جائے - جو حاکم بہ نیت ایذا نہ دے اور وہ نیک کردار کا حامل نہ ہو تو اوس کو چاہیئے کہ وہ خود مستعفی ہو جائے - ورنہ اس کو ہٹایا جائے - اگر تمنا ہے کہ عدیہ کی نیابت الرتبت - اور عدل و انصاف کے تصور میں فرق نہ آنے پائے -

جو شخص اپنے منصب جلیلہ کی خو اپنے کردار - اپنے بول چال اپنے طرز عمل سے تذلیل کرتا ہے اوس سے اون تو قعات کا پورا ہونا ممکن نہیں جو اس سے بحیثیت نائب شاہی و حاکم عدالت وابستہ کیے جاتے ہیں - ایسے شخص کا ایسی جگہ فائز رہنا - ملک کے لیے بعید منفعت ہونے کے مضرت رساں ثابت ہوتا ہے

مجھے خود تعجب ہے اور افسوس بھی -

یہ ــــ کے سلسلہ میں عدالت کو اوس -

جانب متوجہ کرتا ہوں - اوس کو زبان درازی - تحقیر عدالت - بد اطواری فاش قرار دیا جاتا ہے - حاکم عدالت نے جو مجھ پر بیجا اتہام لگایا اس کے نسبت اپنے نیک نامی کی خاطر چارہ کار قانونی اختیار کرنے کے ارادے کو ظاہر کرتا ہوں تو وہ تحقیر عدالت متصور ہوتا ہے -

چاہتا ہوں عدالت العالیہ کا عز و وقار قائم رہے - حکام جادۂ عدل و انصاف سے بھی نہ ہٹیں -

میرا اب یہ کہنا جرم میں داخل ہے -

لیکن ابتدائے وکالت سے اس وقت تک میں نے بنچ و بار کے سامنے یہی نصب العین رکھا ہے۔ اور کیا کہوں؟ آخر لمحۂ زندگی تک میری زبان سے۔ دل کی گہرائیوں سے یہی جملے نکلیں گے۔

یہ میرا نظریہ ہے۔ جس ملک میں عدلیہ کی فضا پاک صاف نہ ہو حکام کے کردار نیک و شریفانہ نہ ہوں۔ اون میں اپنے منصب جلیلہ کا وقار قائم رکھنے کی صلاحیت نہ ہو۔ اوس کی رعایا کو چین و آرام نہیں نصیب ہو سکتا۔ یہ حقیقت ہے جہاں دیانت۔ صداقت۔ عدل و انصاف کا فقدان ہو اوس جگہ کا خدا ہی حافظ ہے۔

مولوی مرتضٰے خاں صاحب نے میری ذہنیت کی نسبت اظہار خیال فرمایا ہے۔

بیانات کے چند اجزا سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ میرا منشا تحقیر عدالت ہے نہ توقیر اسکی۔ کیا کہوں؟ میری ہی بیانات کے چند اجزا سے مولوی مرتضٰے خاں صاحب نے میری ذہنیت کے متعلق یہ تعبیر کی ہے کہ وہ ذہنیت یہ ہے۔ جو میں اپنی زبان سے کہتا اور قلم سے تحریر کرتا ہوں تعبیر کی حیثیت اصل واقعہ کی ہو جائے۔ تو پھر کیا کہنا۔؟ مولوی مرتضٰے خاں صاحب مانیں یا نہ مانیں۔ میرے خیالات و احساسات وہی ہیں جو میں نے ظاہر کئے ہیں۔ میرا منشا و مفہوم وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ ہر معنی میں توقیر عدالت کا خواہشمند ہوں۔ لیکن یہ اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ حکام عدالت العالیہ کا کردار اعلیٰ اور ان میں نصفت پسند نہ رہو۔

اس کے بغیر اوس کا امکان نہیں۔ حکام کی بدکرداری وقار عدالت

کو صدمہ پہونچانی ہے۔ اور وہ بخود عدالت کے تحقیر کا باعث بنتی ہے دوسروں پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی۔
اس سلسلہ میں میں نے اپنا بیان مورخہ یکم اردی بہشت ۱۳۳۴ف ... بھی پڑھا جو قابل ملاحظہ ہے۔
بہر حال یہ ہے خلاصہ میری دو روزہ بحث تجویز ثانی کا اس سے اندازہ فرمایا جائے کہ اس وقت میرے پاس از راہ کرم احباء نے جو پیغامات ارسال فرمائے ہیں کہ میں اپنے طور پر وکالت پھر سے شروع کروں آیا یہ میرا عمل پیرا ہونا صحیح ہوگا۔ یہ صاف ظاہر ہوگا کہ عدالت العالیہ کے تعلق سے میرے لئے یہ تحریر کیا جائے "ختمت بالخیر"
جس کی ابتدا عدلیہ نے کی اور اس کو عامہ نے انتہا تک پہونچایا۔ مجھ پر یہ اتہام لگایا کہ میں غلط مفروضات کی بناء پر سائل کو پیش کر رہا ہوں۔ اور میرا مقصد عوام کو مغالطہ دینا اور پریشان کرنا ہے۔ اگر یہ سچ مانا جائے تو میں اس قابل نہیں کہ اہل ملک مجھ پر اعتماد کریں اور کسی قسم کی توقع مجھ سے رکھیں۔ اس حربہ کے مقابلہ میں میرا پسپا ہونا لازم ہے۔ جس کی تمام عمر میں نے خدمت کی ہے جس کا بھلا چاہتا ہوں اوسی کو مغالطہ دینے اور پریشان کرنے کا مجھ پر الزام ہے۔ چنانچہ اپنے رخصتی بیان مورخہ ۸ر تیر ۱۳۵۴ف میں میں نے یہ عرض کیا :-
چیلنج قبول ہے .... اب حیدرآباد میں میرے رہنے کے لئے نہ موقع ہے نہ گنجائش .... رہکر کیا کروں ....

لیکن .... میں نے جو کہا ہے وہ مفاد ملک .... فلاح و بہبودی رعایا۔ استحکام اقتدار شاہی کی خاطر کیا ہے۔ اس پر قائم ہوں۔ اس کا ہر لفظ صحت پر مبنی ہے۔ اور اس کا ہر جذبہ صداقت پر ہے۔"

یہ تو میرا کہنا ہے۔

لیکن جس کی خدمت منظور رہے۔ اوس طرف سے نہ اظہار اعتماد ہے نہ خواہش مذمت لینے کی۔

لہذا اس سکوت کے مد نظر نقد ہجرت نہ کروں تو کیا کروں ؟

کجروی تو دیکھی جا سکتی نہیں۔ دور ہی رہنا بہتر ہے۔

اس سلسلہ میں جو امور ظاہر و واقع ہوئے اوس کا نوٹ متعاقب تحریر کرونگا۔ اس کو فی الوقت یہاں ختم کرتا ہوں۔

۱۵ / اسفندار ۱۳۵۵ ف

سری کشن

میری کہانی میری زبانی

جزء دوم

میرا رخصتی بیان وسط ستمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا جن لوگوں کو مجھ سے محبت تھی وہ ملے۔ اظہار رنج وافسوس کیا۔ ہمدردی ظاہر کی حیدرآباد نہ جانے کے متعلق اپیل کی۔ ہر شخص نے کیا کہا بالتفصیل اوس کا بیان مشکل ہے۔ خلاصہ عرض کروں گا۔

اخبارات میں پنڈت راجندر راؤ صاحب۔ پنڈت نارائن راؤ صاحب۔ مولوی حسن الدین صاحب مولوی احمد عارف صاحب نے اپنے خیالات ظاہر فرمائے۔

پنڈت راجندر راؤ صاحب نے یہ تحریر فرمایا:۔

"راے صاحب کی پبلک زندگی اس قدر بے لاگ رہی ہے کہ جس امر کو نیک نیتی سے مبنی بر صداقت سمجھتے رہے ہے۔ اس کے اظہار میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ بہت سے مواقع ایسے بھی آئے کہ اگر وہ چاہتے تو سرکاری اعلیٰ ملازمت میں باسانی کبھی کے داخل ہو سکتے۔ مگر اونہوں نے ملازمت اور ذاتی منفعت واقتدار کے مقابل میں وکالت اور خدمت ملک کو ترجیح دی . . ـــــ . . . . . . اب بھی اگر امتحان کا

وقت آجائے تو رائے صاحب اپنے ملک کی نیک نامی و خدمت گزاری میں سب سے پیش پیش رہکر ہر طریقہ سے ایثار سے کام لیں گے .... ملک کے ایسے دیرینہ و تجربہ کار سپوت کا ترک وطن کرنے کا تہیہ کر لینا اہل ملک کی بڑی بدقسمتی ہے"

پنڈت نارائن راؤ صاحب نے لکھا

"سری کشن صاحب کا بیان بے لاگ ہوتا ہے ہمیشہ راستبازی و راست شعاری ان کے ملحوظ خاطر رہی۔ راستی کے مقابلہ میں کسی فرد کی شخصیت کی انہوں نے پروا نہیں کی۔ موصوف کا ترک وطن کرنا ملک کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ہم موصوف سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور فرمائیں۔"

مولوی حسن الدین صاحب نے یہ تحریر کیا ہے

"راجہ رائے سری کشن صاحب ان چند ملکی کارکنوں میں سے ہیں جو فرقہ واریت کی مسموم فضا سے متاثر نہیں ہوئے۔ اور جو حیدرآباد کے مسائل کو حیدرآباد ہی کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی رہے ہیں گرچہ رائے صاحب ہندو ہیں لیکن انہیں دیگر مذاہب کے پیروؤں سے کوئی بیر و عناد نہیں۔ ان کی وسعت نظر اور رواداری کا ہر شخص معترف ہے۔ اگرچہ ان کی سیاسیات ترقی پسند رجحانات کی حامل ہے۔ برایں ہم انہیں ذات شاہانہ اور خانوادۂ آصفی سے گہری عقیدت ہے .... سری کشن صاحب نے حیدرآباد کے مسائل کو کبھی ہندو یا مسلم نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا"

ہم ان حضرات سے متفق ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ رائے صاحب کو بہرحال

روک لینا چاہئے۔ اگر ایک ایسا شخص جو ملک و مالک سے عقیدت و محبت کرتا ہو ترک وطن پر مجبور ہو جائے تو حیدرآباد کی پبلک زندگی پر ایک بدنما دھبہ ہوگا"

مولوی احمد عارف صاحب نے یہ رائے ظاہر فرمائی :۔

"سری کشن صاحب ملک کے قدیم خیرخواہوں اور وفاداروں میں ہیں۔ اور ان کا شمار ان حیدرآبادیوں میں کیا جاسکتا ہے جو اپنے ملک کا سچا درد رکھتے ہیں۔ اور اوسے زیادہ بہتر حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں .... اون کے مضامین کا مطالعہ اس نتیجہ پر پہونچاتا تھا کہ وہ نظم و نسق کو بہتر بنانے کا جذبہ رکھتے ہیں لیکن رخصتی بیان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر سری کشن کا سابقہ جذبۂ اصلاح یا تو ختم ہوچکا ہے یا وہ کسی وجہ سے مایوس ہوگئے ہیں۔ اور ترک وطن کا ارادہ کرلیا ہے۔ ہمارے خیال میں دونوں صورتیں اور ان کا یہ نتیجہ قابل تعریف نہیں کہا جاسکتا۔ اہل ہمت اپنے نصب العین کو کبھی نہیں بدلتے۔ اور انہیں بڑی سے بڑی ناکامی مایوس نہیں کرسکتی .... لہذا اونہیں گریز و فرار کی پالیسی اختیار نہ کرنی چاہئے۔ ہم صاحب موصوف کے اس ارادے سے متفق نہیں ہوسکتے کہ آپ ترک وطن کرکے کہیں اور چلے جائیں آپ کو ترک حیدرآباد کا تصور ہی نہ کرنا چاہئے۔"

مجھے اس کا احساس ہے۔ اور یہی چیز ہے جو باوجود بدسلوکی کے مجھے اسوقت بھی حیدرآباد سے مانوس رکھتی ہے کہ میرے رخصتی بیان نے بہت سے لوگوں کو متاثر کیا۔ بےچین کیا۔ اور ان کو فی الواقعی اوس سے

وقت آجائے تو رائے صاحب اپنے ملک کی نیک نامی و خدمت گزاری
میں سب سے پیش پیش رہکر ہر طریقہ سے ایثار سے کام لیں گے
.... ملک کے ایسے دیرینہ و تجربہ کار سپوت کا ترک
وطن کرنے کا تہیہ کر لینا اہل ملک کی بڑی بدقسمتی ہے"

پنڈت نارائن راؤ صاحب نے لکھا

" سری کشن صاحب کا بیان بے لاگ ہوتا ہے ہمیشہ راستبازی
راست گفتاری اون کے ملحوظ خاطر رہی۔ راستی کے مقابلہ میں کسی فرد
کی شخصیت کی اونہوں نے پرواہ نہیں کی۔ موصوف کا ترک وطن کرنا
ملک کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ہم موصوف سے اپیل کرتے
ہیں کہ وہ اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور فرمائیں"

مولوی حسن الدین صاحب نے یہ تحریر بھیجی ہے

" رائے سری کشن صاحب ان چند پبلک کارکنوں میں سے ہیں جو
فرقہ واریت کی سموم فضا سے متاثر نہیں ہوئے۔ اور جو حیدرآباد
کے مسائل کو حیدرآبادی کے نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی رہے ہیں
اگرچہ رائے صاحب ہندو ہیں لیکن انہیں دیگر مذاہب کے پیرووں
سے کوئی بیر و عناد نہیں۔ ان کی وسعت نظر اور رواداری کا ہر شخص
معترف ہے۔ اگرچہ ان کی سیاسیات ترقی پسند رجحانات کی حامل
ہے۔ برایں ہمہ ہم انہیں ذات شاہانہ اور خانوادہ آصفی سے گہری
عقیدت ہے .... سری کشن صاحب نے حیدرآباد
کے مسائل کو کبھی ہندو یا مسلم نقطہ نظر سے نہیں دیکھا"

ہم ان حضرات سے متفق ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ رائے صاحب کو بہر حال

روک لینا چاہئے۔ اگر ایک ایسا شخص جو ملک و مالک سے عقیدت و محبت کرتا ہو ترک وطن پر مجبور ہو جائے تو حیدرآباد کی پبلک زندگی پر ایک بدنما دھبہ ہوگا"

مولوی احمد عارف صاحب نے یہ رائے ظاہر فرمائی:۔

"سری کشن صاحب ملک کے قدیم خیرخواہوں اور وفاداروں میں ہیں۔ اور ان کا شمار ان حیدرآبادیوں میں کیا جا سکتا ہے جو اپنے ملک کا سچا درد رکھتے ہیں۔ اور اوسے زیادہ بہتر حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں............ اون کے مضامین کا مطالعہ اس نتیجہ پر پہونچاتا تھا کہ وہ نظم و نسق کو بہتر بنانے کا جذبہ رکھتے ہیں لیکن رخصتی بیان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر سری کشن کا سابقہ جذبۂ اصلاح یا تو ختم ہو چکا ہے یا وہ کسی وجہ سے مایوس ہو گئے ہیں۔ اور ترک وطن کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہمارے خیال میں دونوں صورتیں اور ان کا یہ نتیجہ قابل تعریف نہیں کہا جا سکتا۔ اہل ہمت اپنے نصب العین کو کبھی نہیں بدلتے۔ اور انہیں بڑی سے بڑی ناکامی مایوس نہیں کر سکتی.......... لہذا اونہیں گریز و فرار کی پالیسی اختیار نہ کرنی چاہئے۔ ہم صاحب موصوف کے اس ارادے سے متفق نہیں ہو سکتے کہ آپ ترک وطن کر کے کہیں اور چلے جائیں آپ کو ترک حیدرآباد کا تصور ہی نہ کرنا چاہئے"۔

مجھے اس کا احساس ہے۔ اور یہی چیز ہے جو باوجود بدسلوکی کے مجھے اسوقت بھی حیدرآباد سے مانوس رکھتی ہے کہ میرے رخصتی بیان نے بہت سے لوگوں کو متاثر کیا۔ بیچین کیا۔ اور ان کو فی الواقعی اوس سے

رنج وملال ہوا۔ جو چیزیں مجھ سے اونہوں نے کہیں اون میں کوئی تصنع نہ تھا۔ وہ اون کے دل کی گہرائیوں سے نکلیں۔ لہذا مجھ پر اون کا اثر ہونا لازم تھا۔ اگر مسئلہ کچھ اور طور پر کھڑا نہ ہوتا اور اوس میں دوسری اصولی چیزیں حائل نہ ہوتیں تو یہ پرخلوص گفتگو میں میرے ارادے کو بدلنے میں کامیاب ہوجاتیں۔ دل کو پگھلا دیتیں کیا کہوں لوگوں نے کیا کہا۔ اپیل کی اعتراضات بھی کئے۔ میں جو کچھ بھی کہتا اوس کا اثر وہ اسی قدر لیتے کہ مانا یہ سب کچھ صحیح۔ لیکن پھر بھی آپ کو نہ جانا چاہئے۔ اور آپ کر جانے کون دیکھا۔ اوروں کی آپ نہ مانیں۔ بادشاہ کو آپ کیا کہیں گے ؟ وہاں سے آپ کو کیا جانے کی اجازت ملیگی ؟۔ جن لوگوں کے کانوں تک حضرت جہاں پناہ کی گفتگوے با تدبیر کی خبر پہونچی جو سالگرہ کے دربار کے موقعہ پر فرمائی گئی تھی اور جنہیں معلوم ہوا کہ کس طرح حضرت بندگانعالی نے کھلے دربار میں نذریں روک کر مجھے شرف تکلم بخشا اور سرفراز فرمایا اونکو اور تقویت ملی۔ دربار ہی میں مجھ سے بہت سے لوگوں نے پوچھا بھالا۔ نواب ہوش یار جنگ کو تو موقع ملنا ہی تھا۔ وہیں اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہہ اٹھے "اب جاؤ کیسے جاتے ہو دیکھتا ہوں۔ مانتے ہی نہیں پھر تو شہید یار جنگ بھی بولے۔ "اب تو جا چکے"!

قدرت الہی کا اس سے اندازہ ہو کہ جب مالک مجازی کی اس مختصر سی سرفرازی نے یہ گل کھلائے۔ ہر سو تبسم کناں لبوں کی یہ حرکت ہے۔ اہل دربار کی نظروں میں میں بہت اونچا ہو گیا۔ مولوی سجاد مرزا صاحب

نواب ہاشم علی خاں صاحب ۔ راجہ نرسنگ راج بہادر۔ نواب عنایت جنگ بہادر وہیں ملے اور اپنے مسرت کا اظہار کیا۔ اور کون ملے کیا کہوں۔ مختصر یہ کہ ختم ڈنر تک یہی سلسلہ رہا۔ اور ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ میرے جانے کا مسئلہ منشار خداوندی کے تحت رفت گزشت ہو چکا۔ یہ ہے خدا کی قدرت چشم زدن میں کیا کا کیا ہو جاتا ہے۔

نواب رحمت یار جنگ۔ نواب معقود جنگ۔ نواب دین یار جنگ نے بھی کچھ اسی طرح کہا اور سب نے اس کو دہرایا کہ منظور خدا یہی ہے کہ ہیں حیدرآباد سے نہ جاؤں۔

ارادہ ترک وطن ترک کردوں۔ اور اپنے شاہ ذیجاہ کی خدمت میں زندگی بسر کروں۔

بہرحال اس کے بعد جہاں میں جاتا جس محفل میں رہتا جن لوگوں سے ملتا وہ یہی کہتے رہتے اور میرے لئے از حد مشکل امر ہو گیا کہ میں ان جملہ مشفقانہ اور مخلصانہ باتوں کا جواب دوں۔ یہ ہی کہتے بنتی کہ حضرت پیرو مرشد کی خدمت کے لئے میں ہر وقت ہر جگہ حاضر ہوں۔ ارشاد ہمایونی جو ہو۔ میں ونیز میرا رواں رواں سے قربان۔

یہ امر واقعہ ہے۔ اس کو کس طرح فراموش کیا جا سکتا ہے کہ حیدرآباد میں اگر کسی نے میری کچھ قدردانی فرمائی ہے تو وہ حضرت کی ذات بابرکات ہے۔ میں نے ان کا نمک کھایا ہے۔ ہر رگ و ریشہ میں میرے ان کے ہی فلاح و بہبود کے لئے خون جوش کھاتا رہتا ہے۔ اور اس وقت بھی میں نے جو کہا ہے وہ ذات شاہانہ اور ان ہی کے عزیز ملک اور

رعایا کی خاطر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے جو بھی سہنا پڑے وہ ہزار بار دل و جان سے منظور ہے۔

یوں تو بہت سے لوگ ملے جنہیں میرے اس آخری پیام نے اپنا ہمدرد بنایا اور بیچین کیا۔ اکثر ان میں سے احبا۔ پہلے کے ملاقاتی۔ شناسائی و رفقائے کار تھے جو کسی نہ کسی حیثیت سے ملتے جلتے رہتے۔ ان کے لئے صرف ذہنی کیفیت کے اظہار کا موقع تھا کہ میری نسبت وہ اب کیا محسوس کرتے ہیں۔ لہذا ان کا ملنا اور کہنا سننا میرے لئے باعث مسرت تھا ضرور مگر وہ کوئی استعجاب کی بات نہ تھی۔ دل کو میرے جس نے اس زمانہ میں بیحد متاثر کیا اور اس امر کا پتہ دیا کہ . . . . جہاں کھرے کھوٹے کا خیال ہوتا ہے۔ وہاں بھی اکثر و بیشتر شریف و جوہر شناس نکل آتے ہیں۔ جہاں شرافت دیانت کی بو بھی آتی ہے۔ داد بھی ملتی ہے۔ وہ ایک نامعلوم شخصیت تھی جس کے نام سے میں ابھی تک واقف نہیں ہوں۔ صورت ایک ہی مرتبہ دیکھی وہ تھا پٹہ رساں۔ جو اتفاقیہ طور پر اپنے ڈاک فرائض کے سلسلہ میں آیا تھا۔ جب وہ میرے پاس پہنچا۔ میں مصروف کار تھا۔ اوس نے خطوط میز پر رکھدئیے اور میری طرف کچھ عجیب انداز سے دیکھکر کہا آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ اور ساتھ ہی اوس نے دو ہی جملوں میں اپنے دلی کیفیت کا اظہار کر دیا کہ اخبار میں پڑھکر اوسے بہت رنج ہوا کہ میں حیدرآباد سے جا رہا ہوں۔ وہ چلتا پھرتا نظر آیا۔ مجھے اوس کے اس جملہ نے سکتہ کے عالم میں ڈالدیا۔ اور میں جہاں کا وہاں مبہوت بیٹھا رہا۔ قلم میرے ہاتھ میں

کاغذ دوات میز پر۔ نگاہیں اوس تصور میں جس ہیں، اس نا معلوم ہستی نے مجھے پہونچا دیا تھا۔

دوسرے صاحب ملے محکمہ پولیس میں۔ شاید اونہوں نے میری گفتگو کچھ سنی۔ اور ممکن ہے پہلے سے بھی وہ مجھ سے واقف ہوں۔ کہنے لگے۔ میں آپ کی کتابیں پڑھنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا آپ نے شاید ابھی یہ سنا ہوگا کہ اوس کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ پانچ روپیہ دیں۔ جواب دیا کہ بخوشی یہ رقم ادا کی جائے گی۔ جب سے میں نے آپ کی باتیں سنی ہیں دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ کتابیں دیکھوں۔ آپ نے وہ کام کیا جس کی قدر سب کو کرنی چاہئیے۔ اپنا نام اونہوں نے "حبیب" بتلایا تھا۔ معلوم نہیں کیا کام کرتے ہیں۔ یہ مرد مومن تھے۔ خلوص و عقیدتمندی کے کہ دنیا میں اسی کی ضرورت ہے۔

اور کیا کہوں مجھے ان سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔ یہ اون کی عنایت تھی کہ مجھے وہ اس قابل سمجھے۔

نواب نظامت جنگ بہادر کی مجھ پر ہمیشہ بزرگانہ شفقت رہی۔ لیکن اپنے اصول و آئین کا اون سے منوانا کچھ آسان کام نہیں جب تک وہ اون کے معیار اور پرکھ پر نہیں اترتے اون کو وہ تسلیم نہ کرتے۔ مجھ سے واقعات دریافت فرمائے۔ پھر دعائیں دیں۔ کہا تم سے یہی توقع تھی کہ شرافت۔ دیانت صداقت کے اظہار کا جب موقع آئے تم سے لغزش نہ ہوگی۔ جو کچھ ہوا اوس میں مصلحت ایزدی سمجھو۔ جہاں رہو اچھے رہو۔ اور خدا تمہیں اچھے راستے پر چلنے کی

توفیق دے۔ اور نیت نیک پر قائم رکھے۔ یہاں سے جانے کا کیوں خیال کیا؟ کیا اس کی بھی تم نے گنجائش رکھی ہے کہ کبھی کبھی حیدرآباد آسکو یا اپنے کو اس کا پابند کر لیا ہے کہ جا کر کبھی نہ آؤ۔ ایسا نہ کرو۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ یہیں رہتے۔ مجھے بھی بہت سی چیزیں بری معلوم ہوتی ہیں۔ دیکھکر سنکر تکلیف ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اپنے کو علیحدہ کر لیا جائے یہی اچھا ہے۔ باہر جاؤ تو اس کا خیال رکھو کہ ملک کی ٹھوس خدمت تم سے ہو۔ جو تمہارا مسلک یہاں رہا ہے اوس پر چلو۔ تفرقہ پردازوں کا ساتھ نہ دو۔ اون سے دور ہی رہو۔

میری دعا ہمیشہ تمہارے شامل حال رہے گی"

مولوی عظیم الدین احمد صاحب نے بھی اپنے برادرانہ خلوص و محبت سے اپنے محترم برادر کے طریقے پر پند و نصیحت کی۔ کیا کہوں؟ اونکی تحریر سے دل مسرور بھی ہوا۔ مغموم بھی۔ حیدرآباد کی فضا کیا تھی اور اب کیا ہوگئی۔

عنایت نامہ کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ بجنسہ درج ہے۔

"۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ء

بھائی صاحب

تسلیم۔ ایک محلے میں رہے بچے سے بڑے ہوئے بھائیوں کی طرح گزارے۔ بڑے ہوئے کاروبار سنبھالے۔ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے۔ محلے بھی جدا ٹھیرے۔ پہلا ملنا ہے۔ نہ وہ رسم ہے۔ مگر دل وہی ہے۔ خیالات وہی ہیں۔ یعنی بھائی چارہ قائم ہے۔ جب ملتے باہمی محبت و خلوص تازہ ہو جاتا ہے۔ اخبار رہبر دکن مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ء

میں رخصتی پیام پڑھکر رنج ہوا۔ کچھ عرصہ قبل سلسلہ مضامین مندرجہ اخبار دیکھنے میں آئے راجہ رام کے ذریعہ بھیجی ہوئی کتابیں دیکھیں راستبازی سے جو اپنا تھا کوئی کرسکے تو اس کا کام پورا ہوگیا۔ اس کے بعد کی فکر غیر ضروری ہے۔ اپنا وقت گوشہ نشینی میں بسر کردینا ہی آجکل بڑا کام ہے۔ گوشہ نشینی کے لئے اپنا گھر بہتر ہے ہجرت ان معاملات میں جائز نہیں۔ یہ خیال بدل ڈالئے۔ امید ہے کہ صحت اچھی ہوگی۔ بفضلہ تعالیٰ میں اچھا ہوں فقط

عظیم الدین احمد

نواب عزیز یار جنگ بہادر جب ملے کہنے لگے مجھے بہت رنج ہوا جو نہیں ہونا چاہئے تھا وہ ہوا۔ عدالت العالیہ ایسی آپ کی بیقدری کرےگی اسکا شان و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ بہر حال ملک میں آپ کی بڑی عزت ہے۔ یہاں رہتے تو مناسب تھا۔ آپ کے جانے کا ارادہ سنکر افسوس ہوتا ہے۔ مگر خدا کرے کہ آپ نہ جانے پائیں۔

نواب ذوالقدر جنگ بہادر نے شوق سے کتابیں لیں۔ افسوس کیا کہ حالت ایسی ابتر ہو چلی ہے کہا کہ حیرت کا مقام ہے جس کی قدر کرنی چاہئے اوس کے ساتھ یہ بدسلوکی کہ اس کو اپنی سند وکالت واپس کرنی پڑے۔ حیدرآباد سے جانے کے نسبت یہ خیال ظاہر فرمایا کہ یہ ارادہ نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ اس سے رنج ہوتا ہے دعائیں دیں۔ جہاں رہو خدا انہیں نیک راستے پر چلائے اور شاد کام رکھے۔

نواب جیون یار جنگ بہادر نے اسی طریق پر اظہار خیال کیا اور کہا کہ

وطن چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ یہاں تمھاری عزت سب ہی کرتے ہیں
نواب ناظر یار جنگ بہادر جب کبھی جہاں بھی ملتے یہی کہتے
کہ ابھی تک تم نہیں گئے میں خوش ہوں۔ اور ایسے ہی مواقعات
تمہیں جانے سے روک سکتے جا ہیئں۔ تو اچھا یہیں رہو۔ کہاں جاتے
ہو۔ باہر کی حالت کا اندازہ تمہیں نہیں۔ وہاں کے حالات اس
سے کہیں زیادہ ناقص وابتر ہیں۔ حیدرآباد غنیمت ہے۔ جو چیز یہاں
نصیب ہے۔ وہ باہر نہیں۔ یہ تم کیا لیکر بیٹھے ہو۔ ملک و قوم کی خدمت
اس وقت تم بخوبی انجام دے سکتے ہو۔ ہر طبقہ کا تم پر اعتماد ہے
یہ کام کرو۔

نواب وزیر یار الدولہ مرحوم نہایت خوبیوں کے انسان تھے
بزرگانہ محبت وشفقت سے۔ انتقال کے ۴ ماہ قبل جو فرمایا تھا
وہ اب بھی مجھے یاد ہے۔ واقعات سنکر اظہار افسوس کیا اور کہنے
لگے۔ ہم تم ان قدیم خاندانوں سے ہیں۔ جو اپنے ملک و مالک کی
جاں نثاری کو فخر سمجھتے رہے۔ دیانت۔ صداقت۔ شرافت
جن کا شعار رہا۔ اور جن کے پیش نظر اپنی اور اپنے خاندان کی نیکنامی
اور عزت و آبرو کا خیال رہتا۔ جو اپنی زبان کا پاس رکھتے ہیں۔ بہرحال
تم سے جو توقعات تھے تم نے ان کو پورا کیا۔ یہی تمہاری سعادتمندی
ہے۔ خوبی ہے۔ تمھاری قدر کی جانی چاہیے تھی۔ اوس کے عیوض
یہ بدسلوکی کی کیفیت سنکر رنج و ملال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں سے
جانا مناسب نہیں۔ جذبۂ جاں نثاری جس میں ہو اس کی یہاں
ضرورت ہے۔ دعائیں دیں۔

مولوی احمد مرزا صاحب اور مولوی باقر حسین صاحب بھی ملے۔ خیال ظاہر کیا مجھے جانا نہیں چاہئے۔ یہیں رہکر خدمت انجام دوں۔ ہمارے دلوں میں تمہاری عزت ہے۔ پبلک تمہیں چاہتی ہے۔ تم پر بھروسہ ہے۔ ہر طبقہ کا۔ ہر شخص کا۔

نواب مہدی نواز جنگ بہادر اور ان کی اہلیہ محترمہ نے بھی مجھے فراموش نہیں کیا۔ میرا رخصتی بیان پڑھا تھا۔ مجھ سے خود واقعات سننا چاہتے تھے۔ ڈنر پہ مجھے مدعو کیا۔

مختصر سے احباب کو بھی۔ مسز امیر حسن۔ مولوی علمبردار حسین صاحب اور مولوی قاضی عبدالغفار صاحب کو بلایا۔

مسز امیر حسن کی بزرگانہ شفقت مجھ پر ہمیشہ رہی مجھ سے دریافت کیا اعتراض بھی کیا۔ اور ان کے ہمنوا مسز مہدی نواز جنگ بھی ہوئیں کہ میں حیدرآباد سے کیوں جا رہا ہوں۔ کہیں کوئی اپنا وطن چھوڑ کر دوسری جگہ جاتا ہے یہیں رہکر کام کرنا چاہئے۔ نواب مہدی نواز جنگ بہادر نے بھی اس کی تائید کی۔

مسز مہدی نواز جنگ بہادر نے بالاخر یہ خیال ظاہر کیا کہ اعلیحضرت بندگانعالی نے جو دربار کے موقع پر فرمایا اوس کے بعد جانے کا ارادہ مجھے نہ کرنا چاہئے۔

راجہ پرتاب گیرجی بہادر میرے مخلص دوست اور عنایت فرما ہیں۔ ایک خط تحریر فرمایا اور اپنے جذبہ محبت کا اظہار کیا۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ مجھے اونہوں نے اس قابل سمجھا۔

خط ۵ ارامرداد ۱۳۴۵ف کا یہ لکھا ہے

"آپ نے ازراہ کرم اپنے مقدمہ کی تین جلدیں جو مجھے دیں وہ میں نے پڑھ لی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا گیا کون نہیں جانتا کہ آپ کو اپنی صحت کے لحاظ سے لکڑی کے سہارے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کسی عدالت میں یا کسی اجلاس پر آپ لکڑی رکھنے پر کبھی اعتراض نہ ہوا۔ یہ سب جانتے بوجھتے برسر اجلاس۔ دن بھی چپراسی کے ذریعہ لکڑی رکھنے کی مخالفت کرنا صاف ظاہر ہے کہ کھلی عدالت میں آپ کی توہین کرنی مقصود تھی۔

. . . .

. . . .

. . . .

جہاں تک مجھے پتہ چلا ہے ان کا منشاء تو یہاں تک ہے کہ آپ کو توہین عدالت کا مجرم گردانکر آپ کی بے عزتی کریں۔

خیر نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ وہ خود بدنام اور ذلیل و خوار ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اور آپ کی توقیر و عزت بڑھ رہی ہے۔ . . . . .

. . . . معاف کیجئے مگر آپ بھی عقل کے دشمن ہیں۔ توہین آپ کی کس نے کی اور آپ اپنے دل کا بخار کس پر نکالنا چاہتے ہیں مانا کہ راجہ بہادر اور چھتاری نے آپ کے ساتھ برا سلوک کیا لیکن حیدرآباد نے کیا قصور کیا ــــــ وطن نے کیا گناہ کیا کہ یہاں سے ہجرت پر آمادہ ہو گئے۔ ارے میاں یہاں کا بچہ بچہ آپ سے محبت کرتا ہے۔ آپ کے خاندان کا تمام گوشہ

حتیٰ کہ اپنا مالک مجازی۔ دکن کا بادشاہ اور ظل سبحانی کے دل صفا، منزل میں بھی آپ کا خیال کتنا متمکن ہے۔ دیکھو نا۔ حضرت پیرو مرشد نے برسوں عین دربار میں آپ کی خاطر دس پانچ منٹ نذریں رکوادیں۔ اور آپ کو ہم کلامی کا شرف بخشا۔ کہا ایسے سایہ رحمت کو چھوڑ کر آپ کو کہیں اور ایسا سایہ ملے گا۔ اس لئے بندہ خدا ترک وطن کا خیال ترک کردو۔ میری سنو نہ سنو مگر خاندان کا تو خیال کرو جس کا ہر فرد آپ کا آشرت ہے۔ ملک و مالک کی خدمت گزاری کو ترک نہ کرو۔ اپنی ذمہ داریوں پر تو دھیان دو۔ یہاں کے لوگوں کے جذبات کی تو قدر کرو اور سب سے بڑھ کر اپنے مالک کے اشارے کو تو سمجھو۔ ضد نہ کرو۔ بچپن نہ کرو کیونکہ

دو چہل سال عمر عزیزت گذشت ؛ مزاج تو از حال طفلی نہ گشت

اپنے گھر کی بات پردیس میں کہاں۔ آپ کے باپ دادا نے یہیں نام کمایا ہے۔ یہیں عزت ملی ہے۔ آبرو بڑہائی ہے۔ اور رشتہ ناتہ جوڑا ہے تو آپ کو بھی چاہیے کہ اپنے بزرگوں کی پیروی کرو۔

حب وطن از ملک سلیمان خوشتر
خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر

ترک وطن۔ ترک وطن کس کے لئے بھائی۔ صرف دو حضرات کی خاطر!! جن کا نہ کوئی معترف ہے نہ کوئی ثناخواں جن کے سینہ میں دل ہے نہ جذبات نہ احساس کا مادہ ہے۔ نہ بھلے برے کی تمیز۔ جذبہ اور جوش میں بہت کچھ کہہ گیا۔ بس اب زیادہ کچھ

نہیں ۔ فقط

آپ کا صادق و ہمدرد

پرتاب گیر

کہاں تک گنتا جاؤں کس نے کیا کہ ۔ احباب نے بہر نوع اپنے خلوص و محبت کا اظہار کیا ۔ الفاظ میں کچھ ایرپھیر رہتا لیکن جذبہ وہی ۔

ان کا شکریہ کس طرح ادا کروں ۔ میری انہوں نے ایسے وقت ہمت افزائی کی ہے جبکہ میرے لئے لغزش کے سامان ہر سو موجود تھے ۔ اور میرا راستہ بھٹکنا کوئی مشکل امر نہ تھا ۔

پریشان کن اور میرے قدموں کو لڑکھڑانے والی ایک دوسری چیز بھی ہے ۔

اس کو کس طرح بیان کیا جائے ۔

جب وہ تصویریں سامنے آتی ہیں تو جانے کا مسئلہ پہلے ہی سے پیچیدہ اور الجھا نظر آتا ہے ۔

ہے یہ فطرتی امر ۔ جدائی اچھی نہیں معلوم ہوتی جہاں تعلق ہو ۔ اور انتہائے خلوص و محبت کی کشش ہو ۔ جب محبت کے صلہ میں معاوضہ نہیں لیا جاتا ۔

جہاں خاموشی بلا تصنع بلا تقاضہ خدمت ہوا کرتی ہو جہاں اظہار محبت کا صلہ محبت ہے ۔

میرے پیش نظر اصول ہے ۔ ایفائے قول ہے جس سے ٹلنا ممکن نہیں ہے ۔

ہجرت ضروری ہے ۔

ادھر محبت کا یہ وار چلتا ہے کیا کروں؟
ظاہر ہے میری بزرگ بھاوج کے لئے یہ صدمہ عظیم ہے۔
اس کا برداشت کرنا ان کے لئے آسان نہیں۔ خدا توفیق دے۔
صبر دے۔ اور اس موقع پر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔؟
انہیں میری صحت کی فکر ہے اور مجھے ان کے تندرستی کی۔
مگر خدا نے جب یہ کیفیت پیدا کر دی تو کیا کیا جائے۔
بلے۔ بس ہے۔ لاچاری ہے۔
پاس ادب و محبت مانع ہے کہ میں ان کی نسبت کچھ کہوں۔
جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ ہستی کس پایہ کی کیا ہے۔
اور میرے لئے وہ ہزار نعمت ہے۔ جس سے بعد ایک خود ہزار مصیبتوں کی ایک مصیبت ہے۔

جب سے وہ اس خاندان میں آئیں اس وقت سے اس عمر تک ایک ہی جگہ زندگی بسر ہوئی۔ والدین اور بڑے بھائی کے بعد ان ہی کا پر شفقت سایۂ عاطفت میرے لئے رہا۔ بھائی جتنا چاہتے اس سے بڑھکر ہی اس ہستی نے لطف و کرم سے میری پرداخت کی۔ میری رہنما بنیں۔ میری فکروں مصیبتوں کو ہلکا کیا۔ میری ذمہ داری کو اپنے سر لیا۔ نہ خود ہمت ہاری نہ مجھے ہارنے دیا۔ ایسے شیر دل کا سہارا مجھے پھر کہاں ملے گا؟ جو خود تکلیف اٹھائے مجھے آرام پہونچائے۔ میں نے ان کی ہر بات مانا۔ اسمیں بھلائی رہی۔ لیکن اب کچھ ایسی آن پڑی۔ ہے کہ بیمار، دم بخود ہو کر رہ گیا ہوں۔ کیا کروں؟ یہ بھی نہیں چاہتیں میں جاؤں۔ میں بھی انہیں چھوڑ کر

نہیں جانا چاہتا۔ مگر مسئلہ ہے کٹھن۔ معلوم ہوتا ہے جانا ہی پڑے گا۔ پھر خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جو ہو سو ہو۔

ظاہر ہے اس فضا سے بچے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سنارد میری نواسی ہے۔ وہ بھی میری فکر کرتی رہتی ہے۔ پھر تو پیچھے نادر شاہ کو مجھ سے بحد انس ہے۔ اوس کی نگاہ الفت مجھے ہی ڈھونڈتی رہتی۔ میرے ساتھ ہی وقت گزارتا۔ سونا اوٹھنا بیٹھنا رہتا۔ ہونہار و محبتی بچہ ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ جب سے یہ مسئلہ چھڑا ہے چند لمحہ کے لیے بھی مجھ سے علیحدہ نہیں ہوتا مجھ پر نظر رکھنا کہ کہیں بلا کہے ہوئے حیدرآباد سے میں نہ چلا جاؤں اس کی بھی فکر رہتی کہ اگر مجھے بالآخر حیدرآباد سے رخصت ہونا ہی پڑے تو پھر کیا ہوگا۔ محبت اور سے ہر سو کھینچتی۔ میرے ساتھ چلے تو ماں باپ چچا بھائی بہنیں نانا ماما سب چھوٹتے ہیں۔ یہاں رہے تو میرا ساتھ نہیں رہتا۔ لہذا ان سب کو چھوڑنا منظور ہے بغیر میرے حیدرآباد سونا نظر آئے گا۔ وہ پسند نہیں ہے۔

کیا کہوں؟ اس بچے کی معصوم عقیدت ورنافت اپنے میں کیا اثر پنہاں رکھتی ہے کہ مجھے بسا اوقات تڑپا دیتی ہے۔ پریشان حال کرتی ہے۔ سوچتا ہوں کہ کیا کردوں۔ اوس کے معصومیت و خلوص کی پردرد اپیل سامنے رہتی ہے کہ میں حیدرآباد سے نہ جاؤں۔

کشن لعل ساونری لیشیا کو میرا جانا پسند نہیں۔ رام لعل ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتے۔

مردانہ وار اظہار ہمت ضرور کرتے ہیں۔ مگر دل میں سوچتے رہتے

یہ کیا ہوا۔ وہ خود کیا کریں۔ میرے ساتھ جائیں۔ یہاں رہیں جذبہ محبت کا ان کو میری طرف کھینچنا۔ میں جانتا ہوں وہ نہایت سعادتمند ہیں۔ شریف ہیں۔ فرض شناس ہیں۔ میرا ان پر کامل بھروسہ ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ بفضل خدا وہ سب کو سنبھال کرے چلیں گے۔ اور اپنی سعادتمندی کا پھل پائیں گے۔

شنکر پرشاد بھی متاثر نظر آتے۔ ان کا طریقہ نرالا ہے۔ لیکن چاہتے نہیں کہ میں حیدرآباد چھوڑ کر جاؤں۔ خیال کرتے رہتے کہ یہ مسئلہ کسی طرح حل ہو جائے گا۔ میری تحریر سے کبھی خوش ہوتے کبھی رنجیدہ۔ کچھ اتفاق کرتے کچھ اختلاف۔ انہیں یہ ڈر لگا رہتا کہ کہیں اس سے مزید پیچیدگی نہ پڑ جائے اور مجھے بالآخر جانا ہی پڑے پاس ادب بت کرتے۔

بہر حال یہ گھر کے لوگوں کی تمنائیں ہیں۔ چاہتے ہیں کچھ بھی ہو جائے میں حیدرآباد سے نہ جاؤں۔

مجھے جو کہنا تھا وہ کہہ چکا۔ اور اپنے جانے کے نسبت بیان بھی دے چکا۔ عمل صحیح ہے یا غلط یہ جانچنے کا کام بلحاظ حالات میرا نہیں اوروں کا ہے۔ اعتراضات جو ہیں ان کا کیا جواب عرض کروں۔ یہ میری فراری ہے یا گریز۔ جذبۂ خدمت گزاری ختم ہو چکا یا اصلاح سے مایوسی ہو گئی۔ ہمت ہار گیا ہوں۔ یا نصب العین کو اپنے میں نے بدلا ہے اس کا اندازہ بہ تعین خود کر لیں تو مناسب ہے۔

میں تو سمجھتا ہوں میں نے ادائے فرض کیا۔ جس وقت جو مناسب

حال تھا وہ عمل کیا اور عین جذبۂ خدمت گزاری کے تحت کیا۔ اصلاح ہی کی خاطر کیا۔ ہمت دلانے کے لئے کیا۔ نصب العین کو سامنے رکھا۔ راستبازی۔ دیانت۔ صداقت۔ شرافت عدل و انصاف کی جانب توجہ دلائی بتلایا کہ ان پر عمل نہ رہے تو ملک و رعایا کو چین نہیں حاصل ہو سکتا۔ اقتدار شاہی کو صدمہ پہونچتا ہے۔ اپنے قربانی سے چاہا کہ جذبات کو متحرک کروں۔ اور جانتے ہوئے بھی ملک کے کام آؤں۔ کیا یہ میری غلطی تھی؟

یہ بھی ایک قسمت کا کھیل ہے۔

الٹے چور کو توال کو ڈانٹے۔

جن امور کی بنا پر ارادۂ ترک وطن کیا گیا اس پر نہ غور ہوا نہ تنقید۔ مجھ ہی سے استفسار ہے کہ کیوں جا رہا ہوں۔ کہا جاتا ہے ارادۂ ترک وطن صحیح نہیں ہے۔ مجھے اس کا تصور بھی نہ کرنا چاہئے۔

اپنی زبان سے کیا کہوں؟

بہر حال اس کا یہ جواب ہے۔

یہ نہ سوچا کہ رہوں کیسے جب عدلیہ اور عاملہ دونوں نے مجھے اس کے ناقابل قرار دیا۔ اور کوئی یہ کہکر مجھے ملاتا نہیں کہ جو یہ لکھا گیا ہے وہ غلط ہے۔ بیجا اتہام ہے۔ ہم تمہیں اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ اپنا سمجھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ تم یہیں رہو۔ اور ہمارے بھلائی کے کام انجام دیا کرو۔

میں نے کتابیں چھپوائیں نہیں۔۔۔ اس غرض سے کہ حقیقت حال سے لوگ آشنا ہوں۔ اور جو نظریہ قائم کیا جائے وہ واقعات

پر مبنی ہو محض خیالی نہ ہو۔ اور دوسری یہ بھی خواہش تھی کہ احباء کو میری یاد دلانے کا ایک مستقل ذریعہ رہے۔

میرے دردِ دل کی داستان ان کتابوں میں تحریر کی ہوئی ہے چاہتا تھا وہ پڑھی جائیں اور کم از کم بلحاظ مسائل وہ اہل ملک کے دلچسپی کا باعث بنیں۔ اور اون پر تنقید بھی ہو۔

بندا طور پر اس کی اشاعت کی کوشش کی۔ مگر معلوم نہیں کتنوں نے ان کو پڑھا۔ اور کس نے اون کی قدر کی۔ اور کس نے کس سے کیا کہا۔

اس سلسلہ میں بھی مجھے بہت کچھ تجربہ حاصل ہوا۔ کیا کہوں؟ کس طرح بیان کروں؟ میرے تعلق سے ہر مسئلہ عجیب رنگ لاتا ہے۔ اور ایک دلکش منظر اور قابل عبرت نظارہ پیش کر دیتا ہے۔

کتابیں ہیں تین (۳)

(۱) میرا استعفا رمالی مشاورتی کمیٹی سے۔

(۲) میری نادیبی کارروائی۔

(۳) میری رخصت حیدرآباد سے۔

ہر شخص چاہتا وہ کتاب لے جو اوس کے لیے باعث دلچسپی ہے میری شرط تھی تینوں کتابیں لیجائیں۔ اور وہ بھی بادائی قیمت پانچ روپیہ۔

میری غرض تھی اشاعت۔ ہر محفل میں ہر جگہ جہاں میری شناسائی۔ رسائی تھی میں ان کو پیش کرتا۔ لوگ مجھ سے بھی کہتے

دوسروں سے بھی متذکرہ کرتے۔ سری کشن صاحب نے یہ اچھا شغل نکالا ہے۔ خوب سوجھی کتاب لکھکر منافع کمانے کی۔ جب یہ سنکر آتے۔ رام لعل اور شنکر پرشاد بھی متاثر ہوتے۔ اور کہتے یوں ہی مفت کتابیں تقسیم کردوں۔

واقعہ یہ ہے۔ میں خود اندازہ کرنا چاہتا تھا دلچسپی کہاں تک ہے۔ کس طبقے کو ہے۔

دنیا ہے پیسہ کی۔ مطلب کی۔ پانچ روپے کچھ زیادہ نہیں۔ دیکھوں مسائل مندرجہ کتب کی خاطر کون اپنے روپیے خرچ کرکے پڑھنا چاہتا ہے۔ شاعر نے فطرت انسانی کا خاکہ یوں کھینچا ہے۔

گرہماں طلبی مضائقہ نیست ؎ گرزر طلبی سخن درین است

لہذا مجھے کتابوں کے مفت یا تحفتہً دینے میں تامل تھا۔
میں چاہتا تھا ان کتابوں کی حد تک کوئی استثنائی صورت نہ رہے۔
یوں تو ہر عزیز، دوست کو چند ستے میں کتابیں روانہ کرتا تو وہ مناسب حال ہوتا۔ مگر موقع کے اعتبار سے میرا منشاء کچھ اور ہی تھا۔
پھر بھی میرے انتہائی کوشش اور استقلال کے باوجود مجھے اس کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں ہے۔ کہ میں کامیاب ہو سکا۔
چند کتابیں تحفتہً دینے ہی پڑے۔ بعض مجھ سے بھی زیادہ مستقل مزاج ثابت ہوئے۔ کتابیں لیں۔ وعدہ ادائی قیمت کیا میرا تقاضا ہی رہا۔ کتابیں اون کے پاس رہیں۔ معلوم نہیں کہ صرف حصول کتب کی حد تک دلچسپی تھی۔ یا مضامین سے بھی کچھ

السنو رہا۔ خیر اب تو اس کا کوئی علاج ہی نہیں۔ میں نے اپنی شکست مان لی۔

کتابوں کے لینے والوں میں میرے اکثر احباب ہے۔ کسی نے خوشی سے "پانچ روپئے" دئے کسی نے اصرار پر۔ بہر حال کتابیں ضرور لیں۔ قیمت بھی ادا کی۔ میرے پاس ان کے نام نوٹ ہیں۔ اس کی ضرورت اس لئے داعی ہوئی کہ کتابیں ایک ساتھ طبع نہیں ہوئی تھیں۔ قیمت پیشگی وصول ہو چکی تھی۔ بعد طبع دینے کے لئے فہرست کا رہنا ضرور تھا۔ اس کے قطع نظر یہ امر بھی پیش نظر تھا کہ نواب عسکر یار جنگ بہادر نے جو خیال ظاہر فرمایا تھا۔ اوس کے مدنظر میں اپنی حفاظت کرلوں اور یہ تبلا سکوں کہ میں نے اپنی چیز اپنوں کی حد تک رکھی۔ کتابیں حیدرآباد والوں کو ہی دی۔

یہ بھی رہا۔ دینے والوں نے رقم دی۔ لیکن مجھ تک وہ پہونچی نہیں۔ کچھ تو میری غلطی اپنا بوجھ دوسرے پر ڈالدیا اور پھر یہ تو پرانا قصہ ہے چھن چھن جب ہاتھ میں پڑے تو دل میں دھڑکن پیدا ہوتی ہے۔ نیت بدل جاتی ہے۔ قبضہ دلیل الملکیت کا مصداق ہو جاتا ہے۔ خیال ہوتا ہے محنت کا صلہ بھی ملنا چاہئے۔ شائد ملتا بھی وہ ایسے۔ مگر صبر کہاں ؟ خیر کوئی ہرج نہیں۔

کتابوں کے نہ لینے والوں کے سلسلہ میں جو نفسیاتی تجربہ ہوا وہ بھی دلچسپ ہے۔

کتابوں پر جب نظر پڑنی تو پہلے کہا جاتا مجھے کبھی عنایت ہو۔ یا جب میں اوس کو پیش کرتا تو مجھے جواب ملتا۔ میں اسے ضرور خریدونگا

میں نے اخبارات میں دیکھا ہے۔ کیفیت سنی ہے۔ آپ کے حق میں بڑی ناانصافی ہوئی ہے۔ یہ لوگ آپ کی کیا قدر کر سکتے ہیں۔ یہی چاہئے تھا۔ آپ نے خوب مقابلہ کیا۔ آپ نے جو کیا وہ بالکل ٹھیک ہے وغیرہ۔ یہ سب صحیح۔ مگر آپ ہمیں چھوڑ کر کیسے جاتے۔ آپ کو جانا نہیں چاہئے۔ آخر ملک نے کیا قصور کیا ہے یہاں پر کون کام کرے گا۔ آپ جیسے مخلص آزاد منش خیال شخص کی ضرورت ہے۔ اہل ملک آپ کو کبھی نہ جانے دیں گے۔ وغیرہ وغیرہ

میری جانب سے جب مطالبہ پانچ روپیہ کا ہوتا۔ تو پھر یہ جوشیلی تمہید کچھ ٹھنڈی پڑ جاتی۔ بعض کے لئے اپنے ہی قائم کردہ جال سے نکلنا وقت طلب ثابت ہوتا۔ مجبوراً وہ لے ہی لیتے۔ مگر سودائے نقد کے عیوض معاملہ اودھار پر رکھتے۔ بعض اوس حالت میں بھی ٹال جاتے۔ ایک دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا جاتا۔ اظہار ہمدردی و واقفیت کے ساتھ عذر عدیم الفرصتی کا پیش ہوتا۔ کیا کروں بالکل فرصت نہیں ہے۔ دیکھئے میز پر مسئلوں کا تودہ ہی تودہ پڑا رہتا ہے دن بھر آنکھ اوٹھا کر دیکھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ اور پھر جو ادھر لکھا پڑا ہے۔ اوس کا خیال رہتا ہے۔ یوں لیکر محض کتابوں کو الماری میں رکھ دینا مجھے پسند نہیں ہے۔ میں کہتا شکریہ آپ کا جب آپ کو پڑھنے کی فرصت نہیں تو لیکر کیا کریں۔ لہذا رخصت۔

بعض ہمدردی کا اس طرح اظہار کرتے۔ آپ کے اخراجات بہت ہوئے ہونگے میں آپ کے خیالات سے واقف ہوں۔ آپ نے بلا شک و شبہ خوب لکھا ہوگا۔ کتابیں آپ کو دوسروں کو

دینے کے لئے کام آئیں گی ۔ لہٰذا میری طرف سے یہ ایک روپیہ
قبول کیجئے کتابیں رہنے دیجئے ۔" شکریہ ادا کرنے میں خاموش
ہو رہتا ۔ کبھی کبھی یہ میری زبان سے نکل جاتا مجھے آپ کے
چندے کی ضرورت نہیں بفضل خدا میں نہیں تو اب بھی میرے
کرم فرما ایسے ہیں جو میرے تصنیفات کو چھپوا کر مفت بھی تقسیم کرا دیں،
میں تو قدر دان پڑھنے والوں کی تلاش میں ہوں ۔

یہ ہے دنیا جہاں مختلف نوع کے خیالات و جذبات کا اظہار
وقت کے اعتبار سے ہر شخص اپنے اپنے قائم کردہ نظریہ کے
تحت کرتا رہتا ہے ۔ جس کا جیسا ظرف ہے وہ ظاہر ہوتا ہے ۔

یہ بھی ایک انوکھی بات ہے ۔

فضا قائم کی ہوئی اون ہی کی ۔ کتابوں کے پڑھنے کا بھی شوق مجھ
سے بالراست لینے کی ہمت نہیں ۔ ایک دوست نے اپنے لئے
ایک سیٹ لیا تھا ۔ نظر پڑی ۔ اوسے ہی غنیمت سمجھا ۔ ان سے
لے لیا ۔ قیمت مجھے نہ ملی ۔ میں نے ان دوست سے مطالبہ کیا
تو ان کا یہ عذر رہا کہ کتابیں تو غصب کر لی گئیں ۔ لہٰذا غاصب
پر نالش کی جائے ۔ دنیا میں تعداد غاصبین کی ہی زیادہ رہتی ہے
شرفا کو ان کے وجود کو تسلیم بھی کرنا پڑتا ہے ۔ اور برداشت بھی

اس کی نوعیت دوسری ہے ۔

اس کا تعلق ہے صحافت سے ۔

رغبت و رہبر و ملکت کی مجھ پر پہلے سے مہربانی رہی ہے ۔ یہ
پرچے میرے پاس آتے رہے کبھی چندے کا مطالبہ نہیں ہوا ۔ لہٰذا

وقت محسوس کیا کیا کروں۔ پھر بھی میں نے اپنا مطالبہ معذرت کے ساتھ پیش کیا۔ صبح دکن و پیام سے میں نے یہی کیا۔ وقت دبیران صحیفہ کا اس سلسلہ میں کچھ اصرار رہا کہ رواج و عملدرآمد کے لحاظ سے تنقید و ریویو کے لئے مدیران اخبار کو کتابیں بلا ادائی قیمت تحفتہ (Complimentary) دیجاتی ہیں لہذا مجھے بھی اس قاعدہ کی پابندی کرتے ہوئے ادہیں کتابیں دینی چاہئیں۔ میں نے اس کو تسلیم کیا اور کہا یہ صحیح ہے۔ ہونا بھی اصولاً یہی چاہئے اگر مجھے اپنے کتابوں کی فروخت اور اشاعت کی غرض سے پروپگنڈہ منظور ہوتا تو بیشک میں یہ کرتا۔ اور مجھ پر لازم تھا کہ یہ کروں۔ لیکن اس غرض سے تو میں نے آپ کی خدمتمیں کتابیں نہیں پیش کی ہیں۔ میں نے پبلک کی دلچسپی کی خاطر مسائل و مضامین کی یکجائی کی تالیف کی ہے۔ اور ان کو بشکل کتاب پیش کیا ہے جس طرح دوسرے احباب کو میں نے یہ کتابیں دی ہیں۔ اوسی طرح آپ کو دونگا۔ غرض واحد ہے۔ میں آپ سے کبھی تو اوس چیز کا طالب ہوں جو اون سے چاہتا ہوں۔ میں نے کیا کہا۔ اور لکھا ہے۔ وہ کوئی راز نہاں نہیں۔ حیدرآباد کی پبلک اس سے بخوبی واقف ہے کتابیں بھی اکثر احباب کے نظروں سے گزر چکی ہیں۔ میں کوئی پروپگنڈہ نہیں چاہتا۔ اگر آپ اپنے طوز امور مندرجہ کتب کے نسبت کچھ لکھنا تنقید کرنا اپنا فرض تصور کرتے ہیں تو زحمت فرمائیے۔ ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ لبعض نے میرے مطالبہ ہی کو عذر گردانا اور کتابیں واپس کر دیں۔ اور بعضوں نے رکھ لیا۔ مگر اخبارات

میں کوئی تنقید مجھے نظر نہیں آئی۔ خیر یہ بھی سہی۔

ہر ایک کتاب کی ۵۰۰ جلدیں طبع ہوئی تھیں جس کے منجملہ چند مطبع کے نذر ہوئیں۔ اور ۵ جلدیں پولیس و سیاسیات و معلومات کو دی گئیں۔ وہاں شاید یہ زینت و آرائش کا کام دیتی ہیں۔ قیمت مجھے ادا کرنی پڑی۔

ان کتابوں کی کتابت طباعت کچھ آسان نہ تھی۔ خوشامد درآمد سے کام لینا پڑا۔ کتابت کی وقت رفع ہوئی تو کاغذ کا مسئلہ پیش ہوا۔ بہر طور کوشش کر کے جس طرح بھی ممکن ہوا اور جو بھی قیمت ادا کرنی پڑی اوس کو دیکر کاغذ مہیا کیا۔ روزانہ میرا یہی کام تھا مطبع کی حاضری دوں۔ تقاضا جاری رکھوں۔ پہلے دو کتابیں چھپیں بعد میں تیسری۔ میں مضمون نگار بھی تھا۔ محرر و چپراسی بھی۔

بہرحال میں پنڈت و نایک راؤ صاحب اور مالک بھتے پریس کا ممنون ہوں کہ اونہوں نے بروقت میری کتابوں کو شائع کیا اور میرے احباب کو پڑھنے کا موقع دیا۔

مختصر یہ کہ علاوہ اخراجات موٹر نشینی و کرایہ رکشا ٹانگہ چھپائی پر تخمیناً دو ہزار روپیے صرف ہوئے۔ اور اس کی بدولت میری ایک مستقل یادگار تیار ہو گئی۔

رخصت ہونے سے پہلے ضروری تھا کہ اپنی بھاوج کے وظیفہ کی اجرائی کی کوشش کروں اور قرضے کے ادائی کی سبیل۔

لہٰذا میں نے نواب صدر اعظم بہادر کو زحمت دی۔ اون سے

ملا۔ اور ان امور کی نسبت عرض کیا۔ نواب صدر اعظم بہادر نے تائید کا وعدہ فرمایا۔ اور درخواست پیش کرنے کے لئے کہا۔

میں نے حسبہ درخواستیں پیش کیں۔

وظیفہ کی بابتہ درخواست دی کہ (۲) سال قبل فرمان خداوندی شرف صدور پا چکا ہے کہ کم از کم پچاس روپیہ وظیفہ کیا جائے۔ اس وقت تک اجرائی عمل میں نہیں آئی۔ براہ کرم جلد اجرائی کے احکام صادر فرمائے جائیں تو باعث ممنونیت ہوگا۔

دوسری درخواست۔ یہ تھی۔ ازراہ مہربانی اگر گورنمنٹ مکان موقعہ کنگ کوٹھی روڈ کو خریدے تو میرے لئے بڑی سہولت کا باعث ہوگا۔ ہر چیز طے کر کے میں نہایت اطمینان قلب کے ساتھ یہاں سے جا سکتا ہوں۔ خانوادۂ آصفی کے الطاف وعنایات شاہانہ میرے خاندان پر ہمیشہ مبذول رہے ہیں۔ جاتے ہوئے بھی مجھے یقین ہے نظر شفقت وعنایت مجھ پر رہے گی۔ اور مدت العمر جہاں رہوں جس طرح رہوں یاد دلاتی رہے گی کہ میں بھی اس چمنستان بے صفا ہی کا ادنیٰ خدمت گزار اور شیدائی تھا۔

ایک کا تعلق تھا مالگزاری سے۔ دوسرے کا تعمیرات سے

ابتدا ہمت افزا رہی۔ نواب صدر اعظم بہادر نے محکمہ جات متعلقہ کو احکام صادر فرمایا۔ میں نے بھی امید باندھی۔ اپنا وصیت نامہ تیار کیا۔ نواب زین یار جنگ بہادر کو دیا کہ خود بھی دیکھیں۔ صدر اعظم بہادر کو بھی دکھلائیں۔

اوس میں یہ لکھا تھا:۔۔۔

"آشنا ہونا بھی محال تھا۔ اگر نواب صدر اعظم بہادر ازراہ مہربانی مکان کے بنجانب سرکار عالی خریدی کے نسبت درخواست کو شرف قبولیت نہ بخشتے۔ اور نواب زین یار جنگ بہادر صدر المہام تعمیرات اپنی عنایت و دلچسپی سے اس کا جلد تصفیہ نہ فرماتے تھیں ان کا بیحد شکر گزار ہوں اور حکومت سرکار عالی کا بھی کہ اوس نے ایک تارک وطن کے ساتھ یہ حسن سلوک مرعی رکھا اور اس کو رہین منت کیا"[55]

یہ وصیت نامہ شہر کورٹس لکھا گیا تھا۔

دن جیسے گزرتے گئے۔ رنگ کچھ اور ہی کھلا۔

میری نظر سطح پر تھی۔

تجربہ ہوا۔ اسے بڑی ہستی کی مہربانی ہو تو صدر اعظم سے ملنا آسان ہے۔ ملاقات بھی ہو سکتی ہے۔ بات بھی۔ لیکن نیچے کی امنزلیں کٹھن ہیں۔ وہاں رسائی ممکن نہیں۔ شان عہدہ داری کے خلاف ہے۔

اہل معاملہ سے گفتگو کی جائے۔

اب تو میری حیثیت اہل معاملہ کی ٹھیری۔

ہر محفل میں۔ پہلے عادت تھی ملنے جلنے کہنے سننے کی۔

اپنے نسبت گفت و شنید کا موقع کبھی نہیں آیا تھا۔

اب نئے طریقے رائج ہیں۔

اور میری غرض وابستہ ہے۔

معلوم ہوا اپنا فرض ہے صرف [illegible] دینے کا۔ [illegible] توجہ دلانے کا۔

اس سے آگے مقام ہے راز سربستہ کا۔ اعلیٰ ہستیوں کا۔
نتیجہ مفید نکلے زہے نصیب۔
ورنہ مصالح انتظامی و نظم و نسق جامع و مانع ہیں۔

مالگزاری کو لکھا گیا تو نواب فضل نواز جنگ بہادر سے ملنے کی کوشش کی۔ کوئی جواب نہ ملا۔ لکھا کہ کوئی مجبوری نہیں۔ اگر آپ نہ ملنا چاہیں۔ میرے تحریر کا مقصد صرف اسقدر تھا کہ معاملہ کی جلد یکسوئی ہو جائے۔ جواب وصول ہوا کہ گزارش لکھی گئی۔ اور صدارت عظمیٰ روانہ کردی گئی ہے۔

اس کے بعد معلوم نہیں کیا ہوا۔ راز سربستہ ہے۔ اتنا زمانہ گزرا کہ اب یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ خدا ہی وظیفہ دلائے تو دلائے۔ بھائی کو انتقال کئے ۵ سال ہوئے۔ (۳) سال قبل فرمان خداوندی، شرف صدور لایا۔ اور حالیہ کوشش میری کا ایک سال سے ہے۔

تنقیحات کا مسئلہ دوسری طرح چلا۔ نواب زین یار جنگ بہادر نے فوراً احکام برآوردگی تیاری کے لئے صادر کئے۔ جو تیار ہوئی۔ جملہ مراحل طے پائے لیکن دن گزرتے جاتے تھے۔ فکر و پریشانی میں اضافہ تھا اور ادھر وظیفہ کی کارروائی بلا پرسش پڑی تھی لہذا میں نے نواب صدر اعظم بہادر سے ملنے کی استدعا کی۔ جواب ملا کہ محکمہ جات متعلقہ میں کارروائی جاری ہے۔ ان کے ملنے سے کیا فائدہ۔

بہرحال کئی ماہ کے انتظار کے بعد کونسل میں مسئلہ پیش ہوا تھا۔ کچھ اعتراضات ہوئے۔

بدلتی ہوئی صورت کو نواب زین یار جنگ بہادر نے سنبھالا
اور پھر سے کارروائی کی بنا ڈالی۔
میرے دل میں تو کھٹک تھی۔ نواب لیاقت جنگ بہادر کہہ چکے
تھے جب میں ان سے ملا تھا کہ پہلے یہ امر ہا تصفیہ طلب ہے کہ
آیا گورنمنٹ کو مکان کے خریدنے کی ضرورت ہے۔ قیمت کا
تصفیہ اور رقم دینے کا مسئلہ بعد کا ہے۔
مولوی انوار اللہ صاحب نے بھی جو گفتگو کی وہ واضح صاف تھی۔
وہ کہتے تھے خانگی اشخاص اپنی رقم کے (INVESTMENT)
اور حصول منافع کی خاطر اتنی قیمت ادا کر سکتے ہیں گورنمنٹ کو اس
کی ضرورت نہیں۔ نہ گورنمنٹ اتنی رقم ادا کرے گی۔ اور نہ مکان
خریدے گی۔
نواب زین یار جنگ سے ملا۔ اور اس گفتگو کا ذکر کیا۔ انہوں نے
پھر امید دلائی اور میں نے کبھی یہ خیال کیا کہ شاید بالمشافہ گفتگو۔
جملہ امور طے پاجائیں گے میرا یہی کہنا تھا کہ اطراف اکناف سے
اراضی کی جو آجکل قیمتیں اوٹھ رہی ہیں۔ اس کے لحاظ سے قیمت کا
تشخص کیا جائے۔
فہمایش جو دی گئی اوس کے جواب میں میں نے عرض کیا۔ بالمشافہ گفتگو
کا موقع نہیں آیا۔
وہ مکان کا لینا نہ لینا سرکار عالی کے مرضی پر منحصر ہے۔ اور جناب
حکومت اپنی مصلحت آپ بہتر جانتی ہے۔ مجھے خود اس کا احساس
ہے کہ اس وقت سرکار عالی اپنے طور پر مکان نہیں خرید کر رہی ہے

بلکہ میری درخواست پر غور کیا جا رہا ہے۔ اپنی حد تک میں نے زیادتی سے سودا کر پایا۔ جو حقیقت تھی۔ اس کو ظاہر کیا۔ جب سرکار عالی کا رجحان نہیں ہے تو مجبوری ہے؟"
سرکار عالی معاملہ کرنے کے لئے مجبور تو ہے نہیں۔ میں نے ہی توقعات رکھے تھے جو پور سے نہ ہوئے۔

یہ بھی ہیں دلچسپ باتیں۔
روزمرہ کا تجربہ سامنے آیا۔ ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ میری نظر تھی ایک پہلو پر۔ دوسرا ظہور پذیر ہوا۔
نہ قصور میرا نہ کسی اور کا۔
یہ ہے وقت کی مہما۔
اوروں کے لئے مٹی سونا ہوتی ہے۔ میرا سونا بھی مٹی ہو جاتا ہے
میری سیدھی بھی اولٹی معلوم ہوتی ہے۔
سب ہیں میرے دوست۔ ہمدردی بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں تائید کریں گے۔
صداقت پسندی کو میرے مانتے ہیں۔ مگر مسئلہ ان سے بنتا نہیں سنبھلتا نہیں۔ بگڑتا ہے۔
اپنی لاچاری کا اظہار کرتے ہیں۔
فلاں نے یہ کیا۔ ایسا کیا۔ بندا وہ کچھ نہ کر سکے۔ چاہتے تو بہت کچھ تھے۔ انہوں نے یہ کیوں کیا خدا جانے۔
یہ میری شومئ قسمت ہے۔ یا وقت کا اثر

اس میں ان اخبارکا کیا قصور
حسن با سور اتفاق سے اتفاق واختلاف کرنے والے ہر دو بے زمرۂ احباب میں شامل ہیں۔
اب بھی وہ دوستی کا دم بھرتے ہیں اپنی جانب سے میں نے وہی مخلصانہ طرز کو قائم رکھا ہے جو پہلے تھی۔
سمجھتا ہوں یہ اظہار اختلاف کسی مصلحت پر مبنی ہے۔ کسی اپنے مفاد کی خاطر اور جو کچھ ہو رہا ہے اوس میں مصلحت ایزدی پنہاں ہے لیکن چاہتا تھا دوست دوست نظر آئیں۔ دشمن تو بآسانی معلوم ہو جاتے ہیں۔
شدنی تو ہو کر رہتی ہے۔ مگر بات رنجاتی سے
بہر حال سوقت تجھیں ہر جگہ ہیں گل کھلے ہوئے۔ میرے لئے ہے کانٹا چبھنے کے لئے۔
نواب صدر اعظم بہادر سے جب ملا تو واقعات جو رونما ہوئے تھے اون کو بیان کیا۔
نواب عالم یار جنگ بہادر کے پاس جو درخواست دی تھی اس کا تذکرہ کیا اور ان درخواستوں کی جانب توجہ دلائی جو ان کی اور باب حکومت کی موسومہ تھی صدر اعظم بہادر نے واقعات سے ملکر اظہار افسوس کیا اور فرمایا کہ درخواستیں ممبر انچارج نواب عالم یار جنگ بہادر کے پاس روانہ کردی گئی ہیں ان کی رائے کے بعد یہ مسئلہ باب حکومت میں پیش ہوگا۔ یہ ملاقات اراروی بشت ۱۳۵۵ف میں ہوئی تھی۔

اس موقع پر میں نے نواب صدر اعظم بہادر سے اپنے بحالی ج
سٹر بالکشن کے وظیفہ کی کارروائی اور خریدی مکان کے نسبت
عرض کیا تھا جس پر ان کا یہ ارشاد ہوا تھا
"آپ درخواست دیں۔ اور یقین رکھیئے۔ مجھ سے جو ہوگا کرونگا
میری طرف سے کوئی مخالفت نہ ہوگی" میں نے شکریہ ادا کیا۔ نواب
صاحب نے اس سلسلہ میں جو کارروائی فرمائی اس کا ذکر آچکا ہے۔
اوس کے لئے میں ان کا بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ جو کچھ بھی اونہوں نے
کیا میرے توقعات سے زائد کیا۔ یہ ان کی شرافت اور نیک
دلی ہے کہ فضائے مخالفت کے باوجود اونہوں نے میری تائید فرمائی
اور اس کا بھی خیال نہ کیا کہ میں نے اونکی ذات کو عدلیہ کے بدعنوانیوں
کیلئے ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اور مقدمہ چلانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔
حیدرآباد سے جانیکے متعلق بھی اون کا یہ فرمانا تھا کہ آپ کیوں جاتے ہیں
یہ وطن آپ کا ہے۔ آپ کو نہ جانا چاہیے۔
اس مہربانی کی تہ میں کونسی چیز محرک تھی ہے اس کا علم تو اونہیں
ہے۔ لیکن میرے لئے اندازہ مشکل نہیں۔ یہ ہے ریکارڈ اصداقت
وحقیقت۔ لہذا کہوں تو بے موقع ہوگا۔
مجھ سے نواب صاحب ممدوح کی شناسائی اون احباب کی سی
نہیں۔ ہمے جن سے پشتنی تعلقات رہے۔ اور جو میرے یا میرے
خاندان کے حیثیت وجاہت مکار ناموں کو جانتے ہیں۔ میری
ان کی ملاقات اس وقت سے ہے جب بحیثیت صدر اعظم
حیدرآباد تشریف لائے اور نواب کمال یار جنگ بہادر مرحوم کے عنایتہ

کے موقع پر نواب بہادر یار جنگ بہادر مرحوم نے میرا اون سے تعارف کرایا۔ اس کے بعد ملاقاتیں ہوئیں۔ اور تبادلہ خیالات بھی ممکن ہے میری نسبت اور اون سے اونہوں نے کہا سنا بھی ہو۔ لیکن ظاہر ہے پرانوں سے جو توقع میں رکھ سکتا تھا وہ اون سے نہیں۔ یہ خدا کی شان ہے کہ جو غیر تعاون سے اس حد تک اپنا یا اور جو اپنے تھے اونہوں نے غیریت اختیار کی جس کی کم از کم میں نے توقع نہیں کی تھی۔

یہ وجہ ہے کہ اگر کوئی چیز نہ ہوتے ہوئے بھی میں اپنے کو نواب صاحب کا رہین منت سمجھتا ہوں۔ اور جو کچھ بھی اونہوں نے کیا میں اس کے لئے اون کا شکر گزار ہوں۔

وقفہ مختصر

کارروائی اسی طرح جاری رہی۔

یہ سلسلہ درخواست بابت سابقہ بہمن ۱۳۵۵ف میں نواب صدر المہام بہادر عدالت اور نواب صدر اعظم بہادر کی خدمت کو درخواستیں دی گئیں۔

نواب عالم یار جنگ بہادر صدر المہام عدالت کو تحریر کیا ایک سال قبل درخواست دی گئی تھی۔ اور اس کا کیا تصفیہ کیا گیا اطلاع دیا جائے۔ لیکن کوئی جواب اس وقت تک مرحمت نہیں ہوا

اسی طرح نواب صدر اعظم بہادر و باب حکومت کے پاس یہ تعین رقم حرجہ مبلغ پانچ لاکھ روپیہ درخواست پیش کی اور استدعا کی کہ ذریعہ کمیشن اس کا تصفیہ فرمایا جائے تو مناسب حال ہوگا۔

اور پھر بہ تعیین مدت تحریر کیا کہ براہ کرم ایما فرمایا جائے کہ سرکار عالی اس بار سے میا کیا کرنا چاہتی ہے۔ . . . .
ورنہ مسئلہ صاف ہے۔ میری توہین کی گئی۔ مجھے مالی نقصان ہو چکا ہے۔ اعلیٰ عہدہ داران عدالت و نظم و نسق کے مقابلہ میں مجھے کارروائی کرنی پڑے گی . . . . اب بھی اس تک نہیں جانا چاہتا اور امید کرتا ہوں کہ میں اب سرکار عالی بھی اس کی نوبت نہیں آنے دی جائے گی۔

صدارت عظمیٰ سے مجھے یہ فہمائش ملی: "آپ کے مقابلہ میں عدالت العالیہ نے جو کارروائی کی اس کی نوعیت عدالتی ہے۔ اس لئے عدالتی امور میں نہ کوئی دست اندازی کی جا سکتی ہے نہ بذریعہ کمیشن تحقیقات کرائی جا سکتی ہے"

دوسرے ہی دن جواب دیا۔ اور ساتھ ہی پیشگاہ خداوندی میں پیش کرنے کے لئے معروضہ ادب جناب معتمد صاحب باب حکومت کے حوالہ کیا۔ فہمائش دی گئی دفتر پیشی میں بالراست اس کو داخل کرو۔ بنا بریں نواب کاظم یار جنگ بہادر کی خدمت میں اس کو ارسال کیا۔

بجواب باب حکومت فہمائش نامہ میں یہ عرض کیا کہ فہمائش جو دی گئی اس کے لئے میں بہ صد ادب اعلیٰ حضرت اور حضور باب حکومت کا مشکور ہوں۔ دیکھ کر تعجب بھی ہوا۔ امید نہ تھی۔ اس کی توقع نہ تھی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ میرے لئے عدالت العالیہ کے کاٹے کا کوئی علاج نہیں۔ میری تہتک ہو۔ مجھے بدنام و رسوا کیا جائے۔ مجھے مالی نقصان ہو چکے۔ اور یہ

کچھ عمداً کیا کرایا جائے۔ باب حکومت کو اس سے واسطہ نہیں۔ میں مستفسر رمتعزز ہی رہوں۔ اور معزز بہ دیکھنے والوں سے پوچھنے والا کوئی نہ ہو۔ مانتا ہوں میں ایک معمولی حیثیت کا انسان ہوں لیکن مجھے اپنی اور اپنے خاندان کی عزت و آبرو پیاری ہے۔ باشندۂ ملک اور حضرت جہاں پناہی کی رعایا ہونے کے باعث میں امید رکھتا ہوں کہ جس طرح مجھے خود اپنی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت و پاسداری کا خیال ہے اوسی طرح نگاہ سرکار عالی کا ہر سررشتہ۔ اور سررشتہ کا ہر فرد رکھے گا۔ ورنہ مجھے یہ نتیجہ چاروناچار اخذ کرنا پڑیگا کہ میری حدتک ان سررشتہ جات کا وجود وعدم یکساں ہے۔ جیسا میں ویسی دوسری رعایا اس قسم کے حالات میں یہی تصور کریگی۔

غالباً سطحی نظر ڈالی گئی۔ اور سرسری طور پر رائے قائم فرمالی گئی۔ اگر بغور مسائل کو جانچا جاتا تو مجھے یقین ہے کہ معزز باب حکومت کی تحریر کا رنگ کچھ اور ہی ہوتا۔

بہرحال میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جو نظریہ فہمایش نامہ کے ذریعہ ظاہر فرمایا گیا ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کے تسلیم کرنے میں مجھے تامل ہے۔ اس نظریہ سے کیا نتائج مترتب ہوں گے۔ معلوم نہیں کہ اوس پر توجہ فرمائی گئی یا کیا۔ اس کے کہنے کی غالباً ضرورت نہیں کہ مسئلے کے جملہ پہلوؤں کو سامنے رکھکر ہی میں نے ہمیشہ تصفیہ کی خواہش کی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو غلط فہمی میں رکھوں اور خود اس میں مبتلا رہوں۔ اور اس کارروائی کے

تعلق ہے۔ تو میری عین تمنا ہے کہ مجھ پر جو بھی گزرے وہ دودھ دودھ نظر آئے اور پانی پانی۔ اور جس کا جو نظریہ ہو وہ "میری تادیبی کارروائی" سے عبرت حاصل کرے۔ اور ملک کے لئے یہ میرا کارنامہ آخر سفید ثابت ہو۔ اور دیانت۔ صداقت۔ عدل وانصاف کی بابت صحیح تصورات قائم کرنے میں اہل ملک کا وہ ممد معاون ہو۔

لہذا میں اس کے لئے آمادہ ہوں اور ممنون ہوں گا کہ معزز اراکین باب حکومت میری کہانی میری زبانی سنیں۔ مجھے اپنے عذرات کو پیش کرنے کا موقع عطا کریں۔ اور پھر جو رائے ہو اس کو ظاہر فرمائیں۔ زحمت تو ہوتی ہے۔ اور وقت بھی قیمتی ہے۔ لیکن ایک دن اس غرض کے لئے مجھے عنایت ہو تو میں یقین دلاتا ہوں کہ معزز اراکین ناخوش نہ ہوں گے۔ جلد ہی اس ہفتہ عشرہ میں کوئی تاریخ مقرر فرمائی جائے۔ تو باعث ممنونیت ہوگا"

بارگاہ جہاں پناہی میں اظہار واقعات کے بعد یہ معروضہ ادب پیش کیا:—

"بہرحال درجہ بدرجہ ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر محکمہ میں فدوی نے چارہ جوئی کی کوشش کی۔ باب حکومت نے یہ کہکر ٹال دیا کہ نوعیت کارروائی عدالتی ہے لہذا نہ کوئی دست اندازی کی جا سکتی ہے نہ بذریعہ کمیشن تحقیقات کرائی جا سکتی ہے۔ لہذا اب فدوی کے لئے صرف دردولت شاہی کا سہارا ہے۔ فدوی کی اس وقت بھی بارگاہ خداوندی میں التجا عطائے انصاف کی ہے۔ اپنے لئے

ہو یا دوسروں کے واسطے فدوی حقیقی انصاف کا طالب ہے
فدوی اور کچھ نہیں چاہتا۔

فدوی کو شکایت ہے سلوک ناروائی۔ ناقدردانی کی۔
تمنا ضرور ہے بعوض بیقدری۔ قدرافزائی کی۔

فدوی اپنے مشفق و مہربان شاہ ذیجاہ سے اور کیا عرض کرے۔
فدوی نے پنج دبارکے سامنے آیتہ اعلی النصب العین رکھی۔ اور
اس وقت بھی فدوی کا یہی کہنا ہے۔ کہ نہ مانے یا نہ مانے جس ملک
میں عدلیہ کی فضا پاک صاف نہ ہو۔ جہاں بارکے افراد دیانت اور
جرأت سے اپنا فرض انجام نہ دیں جہاں حکام کا معیار اخلاق اونچا
اور ان کے کردار نیک اور شریفانہ نہ ہوں۔ رعایا کو چین و آرام
نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت ہے جہاں دیانت۔ صداقت
عدل و انصاف نہ پایا جائے۔ اوس جگہ رحمت الہی کی توقع عبث
ہے۔ لیکن اب فدوی پر الزام ہے۔

فدوی کا اصول امانت اوس کی شہرت اور نیک نامی ہے جو
بفضل خدا اس کو ملک میں حاصل ہے۔ اوس کو متاثر نہیں ہونے دیا جا سکتا۔ لہذا
فدوی مجبور ہے کہ کارروائی کرے اور تحقیق واقعات کا انکشاف کرائے
جو نقصان مالی اوسے پہونچا ہے اوس کی بابت ہرجانہ کا خواہاں ہو۔

فدوی خانوادۂ آصفی کا حقیقی نمک خوار ہے۔ اور دل و جان
سے اس ملک اور رعایا کے نجات و بہبودی کا خواہاں۔ ذات
بابرکات خداوندی کے لئے جان و مال سب کچھ قربان کرنے آمادہ ہے

لیکن معمولاً فدوی کے لئے دو طریقے حصول انصاف کے ہیں۔
(۱) بصیغہ فوجداری ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ پیش کرے۔
(۲) بصیغہ دیوانی ہرجہ نقصان کی بابتہ نالش دائر کرے۔
ان ہر دو کو فدوی اختیار کرنا چاہتا ہے۔

فلاں فلاں عہدہ داران نے اپنے فعل اور ترک فعل سے فدوی کی توہین کی اور کرائی ہے۔ اور نقصان پہونچایا ہے۔ لہذا ان کے مقابلہ میں فدوی کا ارادہ ہے اندرون پندرہ یوم استغاثہ دائر کرے۔

بابتہ ہرجہ نیز نالش دائر ہوگی جو علاوہ اور اشخاص کے نواب صدر اعظم بہادر و سرکار عالی کے مقابلہ میں ہوگی۔

فدوی آمادہ ہے کہ معمولی عدالتوں میں کارروائی کرے۔ لیکن اس میں ایک دقت ہے گو مسئلہ ہے شخصی حیثیت سے۔ مگر انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ الخ۔ اس لئے فدوی کا معروضہ ہے کہ بہ نفاذ اختیارات شاہی بانعقاد کمیشن ان جملہ امور کی یکجائی تحقیقات کا حکم قضا شیم صادر فرمایا جائے تو موجب دادرسی ہوگا۔

اجرائی کمیشن کے اور وجوہ تخت کی درخواستوں میں فدوی نے بالتفصیل بتلائے ہیں۔

فدوی تخمیناً ڈیڑھ سال سے اس گردش میں ہے۔ ایک سال ہونے آیا کہ فدوی نے سند وکالت واپس کردی۔ لیکن ہنوز روز اول ہے اور فدوی کی پریشانی میں اس کے باعث اضافہ ہی ہے۔ فدوی کے آئندہ لائحہ عمل کا انحصار بھی اس کے تصفیہ پر ہے۔ لہذا فدوی

بصد ادب و عجز و انکسار ملتجی ہے کہ
بہ راحم خسروانہ و عطوفت شاہانہ با انعقاد کمیشن فوری تحقیقات
و تصفیہ کے لئے فرمان عطوفت نشان شرف صدور فرمایا جاوے تو موجب
معدلت ہوگا۔

اب میں یہ آخری زینہ پر پہونچا ہوں ۔ ارشاد خداوندی جو مر-
ذکر کر رہا تھا نواب صدر اعظم بہادر کی کرم فرمائی کا...
مشفقانہ برتاؤ جو روا رکھا رہا اون کا بھی تذکرہ ضروری ہے۔

نواب ریاست جنگ بہادر کے خلوص کی نسبت کیا عرض کروں
ہمیشہ اخلاق و مروت سے مجھ سے پیش آتے۔ میری صاف گوئی
اور سچائی کی بھی داد دیتے رہتے۔ جیسا وہ پہلے ملتے تھے اوسی طرح
اب بھی ملے۔ وہ پہلے شخص تھے جو میری کتابیں لیں۔ رقم بھی اوسی
وقت ادا کر دی۔ بہرحال میں اون کو اپنے احسانمند سمجھتا رہا
ہوں۔۔۔ درخواست دینے کے پہلے بھی اور بعد میں اون سے
ملا اور اپنی عادت کے مطابق کھلے دل سے جو نواب صدر اعظم
بہادر سے کہا تھا اوس کو دہرایا۔ میرے رخصتی بیان کو تو وہ پڑھ
چکے تھے درخواست دینے کے بعد جو گفتگو ہوئی اوس وقت ان
کا یہ کہنا رہا۔ رقم دینے اور قیمت کا تصفیہ کرنے کا مسئلہ تو بعد
کا ہے۔ پہلے تو نواب صدر اعظم بہادر کو اس امر کی نسبت کونسل
کو مطمئن کرنا پڑے گا کہ سرکار عالی کو کتاب خریدنے کی ضرورت ہے
ساتھ ہی اس کا ذکر کیا کہ راجہ پرتاب گیر کے سلسلے میں تجربہ
ہو چکا ہے۔

ابھی تک اس میں مقدمہ بازی ہو رہی ہے۔

میں اس مقدمہ کے واقعات سے واقف تھا۔ راجہ صاحب کا کونسل رہ چکا تھا۔ جو ادعویٰ میں نے مرتب کیا تھی اور نواب حیدر نواز جنگ بہادر مرحوم کے زمانہ سے نواب لیاقت جنگ بہادر نے جو وجوہ اس مقدمہ میں لکھے وہ مجھ سے پوشیدہ نہ تھی۔ اون سے خود مجھ سے کئی مرتبہ اس معاملہ میں گفتگو ہو چکی تھی۔ قطع نظر عدالتی پیروی کے میں نے اور طور پر کئی مرتبہ کوشش کی تھی کہ گورنمنٹ کے نقطۂ نظر کے مد نظر بھی مسئلہ صلح سے طے پا جائے۔ لیکن یہ نہ ہوا۔ لہذا میں نے جواب دیا۔ اس میں راجہ پرتاب گیر کا کیا قصور؟ آپ نے خود غلط راستہ اختیار کیا۔ اور ان کی ایک نہ مانی۔ لیکن اس موقع پر اور میرے تعلق سے یہ خیال آپ کے دل میں کیوں آرہا ہے؟ میں تو حیدرآباد سے رخصت ہو رہا ہوں۔ ان امور کو طے کر کے جانا چاہتا ہوں۔ ابھی وصیت تک میں نے لکھدی ہے۔ تو کیا آپ مجھ سے بد معاملگی کی توقع رکھتے ہیں۔ یا آپ خود کرنا چاہتے ہیں۔ خیر آپ کو جو کرنا ہے وہ کیجئے۔ اگر سرکار عالی مکان نذر یہ سے تو مجھے اور انتظام کرنا پڑے گا۔ اس میں میرے لئے البتہ سہولت تھی۔ یہ کہکر میں رخصت ہوا۔ مگر اس پر بھی مجھے اس امر کی توقع تھی کہ جب نواب صدر اعظم بہادر کی تحریک ہے اور نواب رحمن یار جنگ بہادر نے مکان کی ضرورت اغراض سرکاری کے لئے ظاہر کی ہے تو تعجب ہے اور امور کی بابت بالمشافہ تصفیہ کر کیا جائے گا اور معاملہ طے پا جائے گا۔

لیکن جو مواد سامنے ہے۔ اوس کا ذکر آچکا ہے۔

نواب زین یار جنگ بہادر کو جوں ہی میری درخواست کی اطلاع ہوئی اونھوں نے کارروائی آغاز فرمائی۔ دلچسپی لی۔ کوشش کی کہ میری معاونت کی جائے۔ نتیجہ میرے مطابق نہ نکلا۔ یہ اونکے بس کی بات نہ تھی۔ مجھے اوس کا احساس ہے۔ ہمدردی سے پیش آئے میرے مشکلات کو آسان کرنا چاہا۔ یہاں تک کہا کہ اگر جاگیردار یا صاحب معاش کی حیثیت ہوتی تو یہ جملہ رقم کی ادائی میں کر دیتا اور تمہاری ان تفکرات کو دفع کرتا۔ خدا نے چاہا تو یہ پریشانی جلد ہی دور ہوجائیگی مثل سابق ملتے، ہنستے بولتے مجھسے ہمیشہ یہ فرماتے۔ اس جگہ سے تو رشتہ محبت ہے۔ یہاں پیدا ہوئے۔ اسی آب و ہوا میں پرورش پائی بڑے ہوئے۔ اب اس عمر کو پہونچے۔ سب سے بڑھکر ملک و مالک سے تعلق پشتینی ہے۔ کہاں جاتے ہو۔ تم سے تو ہمیں ابھی کام لینا ہے۔ جو ہوا اوس کا افسوس ہے۔ ہونی چیز ہوگئی۔ اس کے ہونے پر بھی تم یہ خیال کرو سب تمہاری عزت کرتے ہیں۔ مالک تم کو چاہتے ہیں۔ پبلک تم سے محبت کرتی ہے۔ احباب تمہارے قدرداں ہیں۔ ہر شخص کا تم پر اعتماد ہے۔ اس کا تمہیں لحاظ چاہیے۔ مسئلہ جہاں تک میں نے سمجھا ہے سمجھا ہے۔ شکایت ہے بیجا اتہام بدسلوکی نقصان کی اس کا تصفیہ ہوجائے جو باسانی ممکن ہے۔ اور اظہار قدردانی ہو۔

جس مخلصانہ اسپرٹ میں ان چیزوں کا اظہار کیا گیا اوس کا میں کیا شکریہ ادا کر سکتا ہوں؟ اوس کا نقش میرے دل پر ہے۔ یہ محسوس کرتا

ہوں کہ رکن باب حکومت ہوتے ہوئے بھی نواب۔ زین یار جنگ نے اپنا حق دوستی ادا کیا۔ اس کا اعتراف مجھ پر فرض ہے۔

دوست وہی جو دوست کے کام آئے یہ مقولہ ہے تجربہ پر مبنی ہے۔ مگر ایسا دوست کمیاب ہوتا ہے دوستی کا دم سب ہی بھرتے ہیں۔ جو سچا پریمی ہوتا ہے وہ کام آتا ہے۔ زین یار جنگ نے اپنی شرافت اور خلوص و محبت کو نہ چھوڑا۔ لہذا میرے دل میں اون کی قدر ہے۔

ایک زمانے سے مولوی سید محمد اعظم صاحب کی خدمت میں مجھے شرف نیاز مندی حاصل ہے اون کے والد ماجد مولوی سید احمد صاحب مرحوم کی بزرگانہ نظر عنایت مجھ پر تھی۔ ہمیشہ رہا۔ جب تک بقید حیات رہے اپنی دعا ودوا سے مجھے فیضیاب کرتے رہے سید محمد اعظم صاحب بھی اپنے والد کی طرح مجھ سے محبت کرتے ہیں اونہیں مجھ سے ہمدردی بھی ہے۔ غالباً میرے متعلق اچھی رائے بھی رکھتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ معاملات سلجھ جائیں۔ فکر و پریشانی میری رفع بھی ہو۔

مگر حالات سے وہ کچھ مایوس سے نظر آتے ہیں۔

مجھ سے کہتے خفا تمہارے مخالف ہے۔ یہ جرم تم نے کیا اس سے کیا فائدہ؟ مانا کہ تمہاری غلطی نہ تھی۔ آخر سند وکالت کیوں واپس کی۔ اپنا نقصان اپنے ہاتھوں کیا۔ اس کی ضرورت نہ تھی بہت سمجھایا پھر سے وکالت شروع کردں یہ بھی کہا مجھے موقع مصلحت کے اعتبار سے کام کرنا چاہئے۔ اس کی بھی کوشش

کی کہ اس راہ میں جو امر مانع ہے وہ بھی نہ رہے۔ میری قدردانی بھی ہو۔ سلسلہ ملازمت میں منسلک ہو کر کسی نہ کسی طریق سے ملک کے کام آؤں ....

اس کے ساتھ مجھ پر اعتراض بھی کیا کہ مجھے اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے تھی۔ باہر جانے کے کا جو خیال باندھا وہ صحیح نہیں ہے۔

میری وہ کچھ نہ سنتے۔ دل میں میرے توضیحات کو غلط نہ بھی باور کرتے ہوں۔ مگر مجھ سے ہمیشہ گفتگو میں مخالفانہ پہلو اختیار کرتے۔

معاملہ عدالتی ہونے کے باعث قیام رائے میں اونہیں شاید دقت محسوس ہوتی اور وہ پریشان ہوتے اگر کوئی اون سے یہ کہتا کہ زیادتی میری ہی ہے۔ اور جو کچھ میں نے کہا تھا وہ قابل اعتراض ضرور ہے۔ لہذا تجویز عدالت العالیہ میں کوئی دست اندازی نہیں کی جا سکتی۔ یہی دلائل میرے سامنے پیش کر کے مجھ سے کہتے۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔

میرا خیال ہے اون کے پیش نظر شاید یہ چیز بھی رہتی کہ کونسل میں دو ماہر قانون داں حضرات تشریف فرما ہیں معاملہ قانونی عدالتی ہے۔ وہ جو کہیں اوس کے خلاف یہ کیا کہہ سکتے ہیں۔

مجھے یہ معلوم ہوتا ہے مولوی سید محمد اعظم صاحب کا دل دل کچھ کہتا ہے۔ دماغ کچھ اور۔ اگر ان کے دل کی چلتی تو یقیناً وہ ہر سعہ میرے لیئے خضاؤ کے بدلنے کے خواہاں ہوں گے۔

میں مانتا ہوں کہ یہ بھی ایک مخلصانہ انداز ہے۔ میرے مہربان دوست نے جو زحمت فرمائی ہے۔ اوس کے لئے میں انکا شکر گزار ہوں۔

او نہیں میرا یہی جواب رہا۔ کہ میں یہ کب کہتا ہوں کہ میں جو کہوں اوس کو ہر شخص مانے۔ یہ میرا نظریہ ہے دوسروں کا جو ہو میں نے تو قربانی اپنی کی ہے۔ نقصان اپنے کو پہونچایا کسی کو نہ برا بھلا کہا اور نہ کسی کے نقصان کا باعث ہوا۔

البتہ کوشش یہ ہے اور چاہتا ہوں کہ صرف یہ ظاہر ہو جائے کہ میرے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ نہ عدلیہ اور نہ عاملہ کے شایان شان تھا اور سرکار عالی کا سکوت ان عناصر کو تقویت پہونچاتا ہے جو ملک کے لئے مضرت رساں ثابت ہوتے ہیں یہ بھی میں کہتا ہوں۔ مگر یہ عادت نہیں میری کہ کسی کی رائے کو متاثر کروں۔ اور کہوں کہ میری خاطر وہ میری بات مان لیں۔ اگر میرا کہنا غلط معلوم ہوتا ہے تو وہ بخوشی اس کو تسلیم نہ کریں۔ مجھے کوئی رنج نہ ہوگا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ میں کھلے دل سے کہتا ہوں۔ یہ خواہش نہیں کرتا کہ میری خاطر کوئی اپنی رائے بدل دے۔ یا کچھ کا کچھ کر دے۔ چاہتا ضرور ہوں۔ کہ واقعات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ صحیح رائے قائم کی جائے۔ دوسروں کی خاطر مجھے بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔ تقاضائے فطرت ہے کہ اپنے کو ذبح نہ ہونے دوں۔ جہاں تک ہو سکے بچنے کی کوشش کروں۔ اور چونکہ میں نے صداقت کا ادعا کیا ہے۔ لہذا آرزو بھی ہے کہ میں نے جو کہا تھا اوسکو ثابت کر دکھلاؤں۔

جب کبھی جس کسی سے اس زمانہ میں ان امور کی نسبت تذکرہ آیا اپنی جذبات کے تحت میں نے گفتگو کی۔ طریقہ صحیح ہے یا غلط خدا جانے۔

دیوان بہادر ارامدو اُنیگار صاحب سے کئی مرتبہ اس بارے میں باتیں ہوئیں۔ اوروں کے مانند ان کیلئے بھی دقت تھی۔ وہ میرے بولیں یا پنڈت لکشمن ریڈی صاحب اور راجہ بہادر شیشور ناتھ کی۔ جو حکام بھی ہیں اور پرانے ملاقاتی۔ بہرحال وہ مجھے اوس وقت سے جانتے ہیں جبکہ میں نے پیشہ وکالت اختیار کیا۔ بلحاظ عمر وہ میرے بزرگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا تجربہ وسیع ہے میرے طریقہ بول چال۔ خیالات۔ جذبات سے وہ بخوبی واقف ہیں اور واقعات جس طرح رونما ہوئے۔ کارروائی میرے مقابلہ میں جو چلی چلائی گئی۔ اور جو میرا نظریہ رہا اوس سے بھی۔

نواب صدر اعظم بہادر و معزز باب حکومت کی خدمت میں درخواستیں پیش کی جا چکی تھیں۔ اوس سلسلہ میں مجھے فہمائش دی گئی اور میں نے اوس کا جواب گزرانا۔

اتفاق کی بات ہے۔ اس کے بعد ہی دیوان بہادر ارامدو اُنیگار صاحب سے ایک جگہ ملاقات ہوئی۔

کیا کہوں کیا باتیں ہوئیں۔

اس وقت ان کی زبانی وہ سنا جس کی توقع نہ تھی۔ انداز بیان بھی حیرت انگیز تھا۔ سیاست و حکومت کی شان کا نظارہ اونہوں نے دکھلایا۔ نظریہ جو پیش کیا وہ ان کا تھا یا دوسروں کا اس کا

علم اون کو ہے۔
اپنے تعلق سے ان چیزوں کا اظہار ہوگا اس کا مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا۔
تحقیقات سے کیوں انکار ہے یہ میری سمجھ میں نہ آیا۔شائد یہ اندیشہ ہو کہیں اور امور کا انکشاف ہوجائے۔
بہر حال یہ عیاں ہے۔ دوسروں پر حرف نہ آئے۔ اس کا خیال ہے۔ مجھ پر کچھ بھی گزرے۔
جو کلیئے۔ اصلاحات تراشے گئے ہیں وہ اسی مقصد براری کے لئے
اور کیا کہوں۔؟ کہاں تک کہتا جاؤں؟
میں نے فہمائش نامہ اور اپنے جواب کا ذکر کیا۔ راہیئی سند اور میرا جو نقصان ہوا اوس کی جانب توجہ دلائی۔ اور کہا کہ باب حکومت نے بلالحاظ واقعات۔ روئداد مثل ایک سرسری رائے قائم فرمائی ہے۔ اور اوس بنا پر مجھے فہمائش دی ہے۔ جو قرین معدلت نہیں ہے۔ میری درخواستوں کا یہ جواب نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کارروائی کرنے سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ انصاف اس کا مقتضی ہے کہ میرے مبنیہ واقعات پر غور کرکے رائے قائم کی جائے۔ اور اس غرض سے میرے استدعا کے مطابق بالمشافہ عرض حال کرنے کا موقع دیا جائے۔ دیوان بہادر نے میری درخواست کو ناقابل قبول قرار دیا۔ اور کہا خصوصیت سے برتنے کی کیا وجہ ہے مجھے اجازت دیجائے تو ہر درخواست گزار کی یہ استدعا رہیگی کہ وہ بالمشافہ باب حکومت کے روبرو حاضر ہوکر اپنے واقعات

اور عذرات بیان کرے۔ رہا مسئلہ ناانصافی۔ اس قسم کی
صدہا درخواستیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ باب حکومت کا یہ کام نہیں
ہے کہ عذر ناانصافی کی بناء پر اس قسم کی درخواستوں کا تصفیہ کرنے
بیٹھے۔ میرے کارروائی کے نسبت عدالتی تجویز ہو چکی ہے لہذا
اوس کے تفصیل میں جانے واقعات کے جانچنے۔ اپنی رائے
د وجوہ دلائل بیان کرنے کی اوس کو کوئی ضرورت نہیں۔ اور
نہ یہ بتلانے کی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اگر اعلیحضرت حکم دیں
تو پھر واقعات پر توجہ کی جائے گی۔ بحالت موجودہ جو چارہ کار
قانونی مجھے حاصل ہے وہ میں اختیار کروں۔

میں نے توجہ دلائی کہ پہلے ہی سے میں نے اس ارادہ کا اظہار
کیا ہے۔ اور درخواستیں دیں۔ لیکن اس وقت تک کوئی جواب
مرحمت نہیں فرمایا گیا۔ نواب صدر المہام عدالت نے سکوت
اختیار کیا۔ باب حکومت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اب
یہ فہمائش ملی ہے۔

دیوان بہادر نے فرمایا۔ جواب کا دینا سرکار عالی پر فرض نہیں۔
مجھے اگر ضابطہ و قانون کے تحت کوئی حق حاصل ہے تو میں اوسے
اختیار کروں۔ یہ مجھے پہلے ہی کرنا چاہئے تھا۔ اور یہ بھی کہا۔
"تم نے جو کچھ کہا سنا۔ سند واپس کر دی۔ اوس کی غرض یا تو
محض بڑائی کرنا تھی ([redacted]) یا یہ تصور تھا کہ اوس طریقہ
عمل سے نتیجہ تمہارے مطابق نکلے گا۔ جب یہ نہیں نکلا۔ تم نے
اپنی سند واپس کر دی۔ اپنا نقصان آپ کیا۔ اگر عدالت العالیہ سند

لیکن تو تمہارا کیس زور دار ہوتا۔ اور تم معاوضۂ نقصان کے طالب ہو سکتے تھے۔ اب یہ تمہارا فعل ہے اس کی ذمہ داری تم ہی پر ہے۔ لہذا تجلّتو۔ باب حکومت کو اس سے کیا تعلق!!
گفتگو مختصر۔ ہم میں صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ آپ کے خود کا تجربہ ہے کہ نگرانیاً نا انصافی کی بناء پر عدالت مافوق میں مقدمات پیش ہوتے اور سماعت کئے جاتے ہیں۔ صدر اعظم و باب حکومت نظم و نسق کے اعلیٰ زینہ پر ہیں۔ لہذا جب کوئی امر نا انصافی ان کے اطلاع میں آئے یا لایا جائے تو اون پر فرض ہے کہ وہ اوس کی بابتہ تحقیقات کریں۔ یا کرائیں اور دادرسی عطا کریں۔
اس سے پہلو تہی رعایائے ملک کے لئے انصاف کا دروازہ بند کرنے کے مماثل ہے۔
دیوان بہادر کہہ تو گئے معلوم نہیں اونہوں نے اس پر غور کیا یا کیا۔ مگر فی الحقیقت باب حکومت کا عمل اوس نوعیت کا رہا جو اونہوں نے اپنے گفتگو میں ظاہر فرمایا۔
وہی چیز سامنے آئی جو عدالت العالیہ میں ظاہر ہوئی۔
وہی ذہنیت وہی عمل۔

ملاحظہ ہو

(۱) سماعت سے انکار ہے۔ اس بناء پر کہ دوسرے بھی اس نوعیت کی درخواستیں پھر پیش کر سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے سب کے ساتھ ایک ہی طریق برتنا ہونا چاہئے کہ استثنائی صورت نہیں قرار دیجا سکتی۔
(۲) بلا معائنۂ مثل سرسری تجویز صادر ہو جاتی ہے۔ واقعات

میں جانے۔ روئداد پر غور کرنے کی ضرورت نہیں بتائی جاتی۔

(۳) یہ بھی ضرور نہیں جو تجویز صادر ہوئی اوس کے وجوہ دلائل ظاہر کئے جائیں۔

(۴) محکمہ سرکار۔ صدر المہام۔ صدر اعظم پر واجب نہیں کہ وہ درخواست گزار کو اس کے باضابطہ درخواست کی نسبت کوئی جواب دے۔ یا بتلائے کہ کیا کارروائی کی جارہی ہے۔ یا کی جانی مقصود ہے یا سکوت کے کیا وجوہ ہیں۔

(۵) باب حکومت واقعات میں نہیں جائے گی۔ ناانصافی یا داستان ستم کتنی ہی عیاں اور شدید کیوں نہ ہو۔

(۶) اعلیحضرت حکم دیں تو وہ اسپر غور کرے گی۔ ورنہ اوسے واقعات سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں چاہتا تھا ائینگار صاحب سے عرض کروں۔ مگر اس کا موقع نہیں ملا۔ اگر خانگی شخص کسی خط کا جواب نہ دے تو یہ سمجھا جاتا ہے یا تو وہ بدتمیز ہے یا مغرور۔ بہرحال اس کا یہ فعل اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ عہدہ داران سرکاری جب یہ طریقہ اختیار کریں تو ان کے نسبت کیا تصور کیا جائے۔

درخواست دیجاتی ہے ایک غرض سے۔ آئینی۔ قانونی حق کے تحت۔ جب حاکم اوس پر توجہ نہ کرے۔ اوس کا تصفیہ نہ کرے۔ اور جانتے بوجھتے اوس سے بے اعتنائی برتنے تو کیا سمجھا جائے۔ کیا یہ مناسب طریقہ ہے؟ اہل معاملہ کیوں یہ نہ سمجھے کہ یہ برتاؤ ٹال مٹول کا اس لئے ہے کہ وہ زیادتیاں جس کی اوس کو شکایت ہے اپنی جگہ برقرار رہیں۔ اوس کا وہ تصفیہ نہیں کرنا چاہتے۔ لہذا

لہٰذا اس بے اعتنائی کی وجہ سے جو نقصان اوسے پہونچتا ہے اوس کی ذمہ داری کس پر ؟

میں نے خصوصیت کے ساتھ برتاؤ کی خواہش کبھی نہیں کی۔ فرائض کے ادائی کے ساتھ اپنے انسانی۔ آئینی۔ قانونی حقوق کے استعمال پر مصر ہوں۔ اپنے لیے وہی سہولت۔ وہی آزادی۔ وہی خودداری کی فضا چاہتا ہوں جس کے پانے کا ہر باشندۂ ملک اخلاقاً انصافاً مستحق ہے۔

مسئلہ میرے تعلق سے ہے۔ کیا کہوں ؟
مگر دل میں یہ خیالات گزر رہے ہیں
دیکھئے ہوا کا رخ کدہر ہے ؟
کیا تھا اور اب کیا ہوگیا۔

حالات یہ ہیں۔ تجویز سرسری۔ بلا مثل دیکھئے۔ واقعات معلوم کیجئے۔ اور پھر ناز ہے اپنے قابلیت۔ سیاست۔ حکومت۔ انصاف رسانی پر۔

خواہش بھی ہے رعایا اس کو تسلیم کرے حکام کو اپنے فرائض منصبی کا احساس ہے۔ اور اوس کو وہ دیانت داری اور مستعدی سے انجام دیتے ہیں۔

اور اہل ملک مطمئن رہیں اون کے جان و مال و عزت و آبرو کی حفاظت ان کے اس طریقۂ کار سے ممکن ہے۔

تعجب ہے ان امور پر غور نہیں فرمایا گیا ورنہ اس کا احساس ہوتا کہ غلط

راستہ اختیار کیا گیا۔ نظریہ مندرجہ فہمائش نامہ قطعاً غلط ہے
اور میری درخواستوں کا یہ جواب نہیں ہو سکتا۔

(۱) یہ صحیح نہیں ہے کہ جو کارروائی میرے مقابلہ میں کی گئی اوس کی نوعیت عدالتی ہے۔ ازروئے قانون عدالت العالیہ کے اختیارات کی تقسیم عدالتی اور انتظامی میں کی گئی ہے۔ دائرۂ عدالتی انتظامی سے عداگانہ ہے۔ تحت قانون وکلا جو کارروائی کی جاتی ہے اوس کی حیثیت خود انتظامی کی ہے۔ اور ان کارروائیات کے نسبت عدالت العالیہ جو تحقیقات و تجویز فرماتی ہے۔ وہ بصیغہ انتظامی ہوتی ہے۔ جلسۂ انتظامی کے تجویز کی نگرانی محکمہ سرکار میں ہوتی ہے۔ محکمہ سرکار کوئی عدالت نہیں ہے۔ جلسۂ انتظامی عدالت العالیہ کی کارروائی عدالتی متصور ہوتی تو تجویز عدالت العالیہ کی ناراضی سے جوڈیشل کمیٹی میں مرافعہ ہوتا۔ اوس کے عوض محکمہ سرکار میں جو نگرانی کرنے کا حق دیا گیا اوس سے ظاہر ہے کہ نوعیت کارروائی عدالتی نہیں انتظامی ہے۔ اس کے خلاف تصور غلط ہے۔

(۲) جلسۂ انتظامی عدالت العالیہ میرے استدعا کے مطابق زیدت نکلشمن ریڈی صاحب کے تحریر کے نسبت مکمل باضابطہ تحقیقات کرنے کے عوض اوس کا تجزیہ کر کے ایک جز کی حد تک کارروائی کو محدود کیا اور دوسرے کے نسبت یہ طے کیا کہ وہ معرض بحث میں نہیں ہے۔

جز اول کی بابتہ جو تجویز صادر کی گئی وہ قیاسات وہمی و دلیلات کی بنا پر بلا اخذ ثبوت و تردید ہونے کے باعث غیر صحیح ہے۔

جزو دوم کی بابتہ کوئی تجویز ہی نہیں صادر ہوئی۔

نواب صدر المہام بہادر عدالت نے جلسۂ انتظامی عدالت العالیہ کے تجویز کو بحال رکھا جو جزو اول کی بابتہ تھی۔ جزو دوم کی نسبت نہیں لہذا باب حکومت کا سماعت سے انکار کرنا اس بنا پر کہ کارروائی کی نوعیت عدالتی ہے۔ غیر صحیح ہے۔

(۳) ذریعہ کمیشن تحقیقات کے متعلق خود حکام عدالت العالیہ نے یہ تجویز فرمایا ہے کہ اعلیحضرت ایسا حکم صادر فرما سکتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص ایسا حکم دینے کا مجاز نہیں ہے عدالت العالیہ کے تسلیم کے بعد جو یہ تحریر کیا گیا کہ ذریعہ کمیشن تحقیقات نہیں کرائی جا سکتی صحیح نہیں ہے۔ باب حکومت کا فرض تھا کہ پیشگاہ خداوندی میں باظہار واقعات معروضہ پیش کرتی اور حکم حاصل کرتی۔ اس کے عیوض جو مجھے فہمائش دی گئی وہ غلط ہے۔

کیا کہوں۔؟ افسوس ہے تو اس کا کہ قانون دان حضرات نے اس پر صاد کیا۔

دیو ان بہادر سے کہہ نہ سکا۔ اور نہ کسی سے۔ مگر دل میں میرے یہ خیالات گزر رہے تھے۔ کس میرسی کی ایسی کیفیت ہے حاکم رعایا کس گنتی میں ہے؟ لوگ جانتے پہچانتے اور کچھ مہری عزت بھی کرتے ہیں۔ ان کو پوچھتا کون ہے؟

جو آسمان پر رہتے ہیں انہیں زمین نظر نہیں آتی۔ وہ دیکھنا ہی نہیں جانتے۔ نگاہ اونچی ہی رہتی۔

یہ ہے فرق زمین و آسمان والوں کا۔

کیا کیا جائے ؟ زمین والے نیچے ہی کے ٹھیرے۔ اونچی اپنی نگاہ زمین پر ہوا میں اڑنے کی طاقت نہیں۔ رسائی آسمان تک کیسے ہو۔ اوس کا علم نہیں۔

آسمان والوں کو پھر اپنی طرف کس طرح ملتفت کیا جائے۔ مشکل امر ہے۔

اونہی کی مہربانی ہو تو ہو۔

ورنہ وہ ہیں آسمان والے۔ یہ ہیں زمین کے۔

زمین والوں پر کیا گزرتی ہے۔ آسمان کی فضا میں رہنے والوں کو اوس سے کیا غرض ہے جس پر آتی ہے وہ اوس کو نبٹ لے۔

اور یہ اوس کے وردِ زبان ہو جو کرے اچھا۔ اوس کا بھی بھلا۔ جو برا کرے اوس کا بھی بھلا۔

خدا خیریت سے گزار دے۔

راجہ نرسنگ راج بہادر کو مجھ سے بڑی محبت ہے۔ وہ نہیں چاہتے میں حیدرآباد سے جاؤں۔ یہ انکی تحریر ہے۔

"مجھے اس خبر کے سننے سے سخت قلق و رنج ہے کہ آپ نے ترک وطن کا ارادہ کیا ہے۔ میرے لیے آپ کا ارادہ ترک وطن اس لیے بہت زیادہ باعث تکلیف ہے کہ میرا آپ کا قدیم خاندانی تعلق ہے۔ اور (۳۰) سال کا بے غرض و خلوص و محبت پر مبنی۔ راہ و رسم کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ یوں تو آپ کا خاندان خیر خواہ ملک و مالک اور نہایت راست باز رہا ہے۔ اور اس سبب سے ہمیشہ اوس کی شہرت اور عزت ہوتی رہی ہے۔ مگر آپ کا

دور زندگی تو محض ملک اور مالک کی خدمت میں گذرا ہے اور آپ نے ہمیشہ انتہا جذبات سے کام لیا۔ حتیٰ کے اپنے نقصان تک کی پرواہ نہ کی۔

مجھے آپ کے سیاسی مسائل سے کوئی واسطہ نہیں۔ میرا اور میرے خاندان کا عقیدہ مالک پرستی رہا ہے۔

سیاسی مسائل سے بے تعلق ہو کر آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ ملک سے جانے کے خیال کو آپ ترک فرمائیں۔ مالک مجازی کی نظر آپ کے شامل حال ہے۔ اور ملک نے ہمیشہ آپ کے خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ایسی حالت میں آپ کو ترک وطن کا ارادہ نہ کرنا چاہیئے۔ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ آپ اپنے ذہن اور عزم کے پکے ہیں۔ مگر یہ مسئلہ بے حد نازک اور غور طلب ہے۔ جب آپ کا ایثار مسلمہ ہے اور آپ ملک و مالک کے فدائی کہلاتے ہیں تو چاہیئے کیسی ہی سخت سے سخت تکلیف کیوں نہ ہو آپ کو ان خصوصیات کے مدنظر برداشت کرنی چاہیئے۔ آپ نے جن خاص بزرگ ہستیوں کی۔ یعنی سری ملپا مہاراج اور سری اوپاسنی بابا مہاراج کی بھگتی اور سیوا کی ہے اور ان کے اقوال و زندگی کو بنظر عقیدت مطالعہ فرمایا اس کے لحاظ سے بھی میں آپ سے اس ارادہ کے ترک کرنے کی استدعا کروں تو بیجا نہ ہوگا۔ میں آخر میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی مدد کرے اور اس ارادہ کے ترک کی توفیق عطا فرمائے۔ زیادہ محبت دلی باد۔ ۲۵ رتیر ۱۳۴۸ف نیازمند۔

نرسنگ راج

اب میں خود کیا کہوں ۔ میں نے کیا کیا کیوں کیا ۔ اچھا کیا برا کیا ۔
اس کا اندازہ تو اور لوگ لگائیں ۔

ہوا تو یہ ہے ۔
عدالت العالیہ نے بد اطواری فاحش کا مرتکب قرار دیا ۔
بد اطوار شخص اور کیا کرتا ۔ اوس نے اپنی سند وکالت واپس کردی
بد اطواری پر اپنے اتراتا ہی ہے ۔
نظم و نسق نے الزام لگایا ۔ غلط مفروضات کی بنا پر مسائل کو
پیش کرتا ہوں ۔ اور عوام کو مغالطہ دینا اور پریشان کرنا میرا مقصد ہے
ایسا شخص یہاں رہکر کیا کرتا ۔ لہذا اعلان رخصت کیا ۔
اور اب بھی جانے پر اصرار ہے ۔
عدالت العالیہ کا خیال ہے میں نے اوس کے وقار کو صدمہ پہنچایا
اوس کی تحقیر کی ۔ نظم و نسق کا کہ میں نے اوس کے خلاف فضا پیدا
کی ۔ پبلک کو پریشان کیا ۔
عدالت العالیہ سے کہتا ہوں میں اس کی توقیر چاہتا ہوں ۔
نظم و نسق سے سلطنت آصفیہ اور اقتدار شاہی کے استحکام کی
میری تمنا ہے ۔ فلاح و بہبودی رعایا میرے پیش نظر ۔
ان ہر دو کو میرے اس قول کے تسلیم کرنے میں تامل ہے ۔
میری زندگی اور میرا کیا ہوا سامنے ہے ۔
عادت نہیں میری غلط کہنے کی ۔ کسی کو پریشان کرنے کی ۔ نقصان
پہونچانے کی ۔ قسمت نے یہ دن لایا ۔ تشخیص مرض کردوں ۔ اور کچھہ تجویز
علاج ۔ نسخہ میرا صحیح ہے یا غلط خدا جانے ۔

حکیم سند یافتہ نہیں ۔ اور نہ میں نے یہ پیشہ اختیار کیا ہے
لیکن بفضل خدا طبیعت پائی ہے ۔ بر موقع عمل کرنے کی ۔ اور
خدا پر بھروسہ کر کے آگے بڑھنے کی ۔ خدمت خلق کرنے کی ۔
حکیم بننے کی ہی کیوں نہ نوبت آئے ۔ خدا نبھا ہی لیتا ہے ۔
میں سمجھتا ہوں ۔ یہ داستان میری اظہار حقیقت ہے
اور کیا عرض کروں ۔ اگر ایسا نہ محسوس ہو تو دل کو بے تسکین
دیجائیے کہ یہ ہستی یہاں سے اب رخصت ہو رہی ہے ۔ آئندہ
کسی مزید زحمت دہی کا باعث نہ ہوگی اچھا ہوا جو گیا ۔
"حسن کم جہاں پاک"

۱۷ اردی بہشت ۱۳۵۵ ف

نیاز مند

سی ۔ سری کشن




مطبوعہ
رعیت پرنٹنگ ورکس
حیدرآباد دکن